عمامہ اور شملہ کی فضیلت، اہمیت اور مقدار و کیفیت کے حوالے سے ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب مستطاب

المقالة العذبة في العمامة والعذبة

کا سلیس بامحاورہ اردو ترجمہ، تخریج، تحشیہ مع تذکرہ مصنف علیہ الرحمہ

فضائلِ عمامہ اور شملہ

احادیث و آثار کی روشنی میں



مصنف

ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری

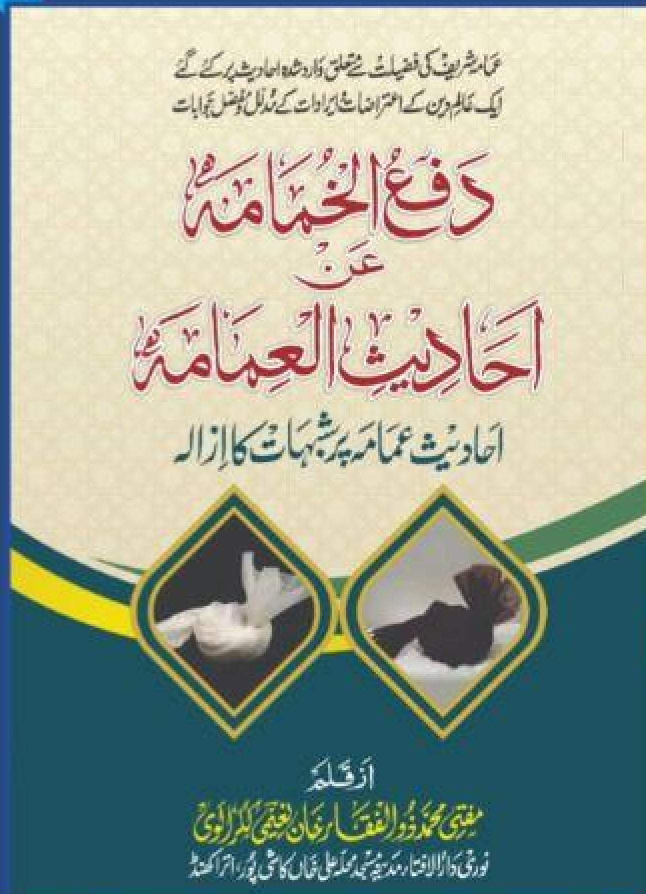


ترجمہ، تخریج، تحشیہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی

نوری دار الافتاء

مدینہ مسجد محلہ علی خان، کاشی پور، اتراکھنڈ



المكتبة الأزهرية بستی یوپی

AL-MAKTABA AI-AZHARIYA

Basti U.P (India) Mobile: 09175684924

AL-MAKTABA AI-AZHARIYA

عمامہ اور شملہ کی فضیلت، اہمیت اور مقدار و کیفیت کے حوالے سے ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب مستطاب **"المقالۃ العذبہ فی العمامۃ والعذبۃ"** کا سلیس وبامحاورہ اردو ترجمہ، تخریج، تحشیہ، مع تذکرہ مصنف علیہ الرحمہ

فضائل عمامہ اور شملہ

احادیث وآثار کی روشنی میں

مصنف

ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری

ترجمہ، تخریج، تحشیہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی

نوری دارالافتاء مدینہ مسجد محلہ علی خاں کاشی پور اتراکھنڈ

تفصیلات

کتاب: "المقالۃ العذبہ فی العمامۃ والعذبۃ" (عمامہ اور شملہ کے بیان میں شیریں مقالہ)

ترجمہ: فضائل عمامہ اور شملہ احادیث وآثار کی روشنی میں

مصنف: شیخ المحدثین امام ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

مترجم: مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی خلیفہ حضور تاج الشریعہ

رابطہ: نوری دارالافتاء مدینہ مسجد محلہ علی خاں کاشی پور اتراکھنڈ

ای میل: nooridarulifta786@gmail.com

موبائل: 9719620137.9759522786

صفحات: 80

شرف انتساب

فقیر اپنی اس ادنیٰ سی کاوش کو

استاد گرامی، استاد العلما، امام العلما، شیخ المدرسین، ماہر درسیات، جامع معقولات و منقولات، عمدۃ المناطقہ والفلاسفہ، حافظ احادیث نبویہ، حاوی اصول و فروع فقہیہ، مفتی اعظم ہند کے محبوب نظر، محافظ مذہب اہل سنت، ناشر مسلک اعلیٰ حضرت، دنیائے سنیت کی نامور، قد آور، معتمد و مستند شخصیت حضرت علامہ مولانا مفتی شاہ

شبیر حسن رضوی

علیہ رحمۃ اللہ القوی، سابق شیخ الحدیث وصدر مفتی "الجامعۃ الاسلامیہ روناہی فیض آباد" کی بارگاہ بابرکت سے معنون ومنسوب کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

گر قبول افتد زہے عزو شرف

اللہ پاک حضرت علیہ الرحمہ کے مزار پر انوار پر رحمت وانوار کی بارش نازل فرمائے۔

اوران کے فیوضات وبرکات سے مجھ فقیر اور دیگر وابستگان بارگاہ کو فیضیاب فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الکریم علیہ الصلاۃ والتسلیم

نیاز مند:

محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی غفرلہ ولابویہ

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ،نحمدہ ونصلی علیٰ حبیبہ الکریم

امابعد:

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بابرکت سنتوں میں ایک سنت عمامہ پوشی بھی ہے۔ احادیث وآثار سے یہ بات بالکل صاف ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والتسلیم اکثر اوقات عمامہ پوش رہتے تھے۔ عمامہ کی فضیلت واہمیت اوراس کی افادیت کے حوالے سے بہت سی کتابیں اب تک لکھی جاچکی ہیں۔ زیر نظر کتاب ''المقالۃ العذبہ فی العمامۃ والعذبۃ'' بھی اسی سلسلے کی ایک احسن کڑی ہے۔ یہ کتاب مستطاب محدث جلیل، حضرت شیخ امام ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ القوی کی تصانیف جلیلہ میں سے ایک ہے۔

اس کتاب میں مصنف جلیل نے احادیث نبویہ اورآثار صحابہ کی روشنی میں عمامہ اور شملہ کی فضیلت، اہمیت اورافادیت کوبیان کیاہے، علاوہ ازیں عمامہ کا عرض وطول اور اسے پہننے کی کیفیت نیز شملہ کی لمبائی چوڑائی اوراس کی کیفت کے تعلق سے احادیث وآثار پیش کرکے احسن انداز میں ان کی تشریح فرمائی ہے۔

یہ عربی زبان میں لکھی ہوئی کتاب چند سال قبل تک غیر مطبوع تھی۔ ماضی قریب میں بیروت وغیرہ سے اس کی اشاعت ہوئی ہے۔ غالباً ہندوستان میں اب تک کسی مکتبہ سے اس کی طباعت واشاعت نہیں ہوئی ہے۔

فقیر کواچھی طرح یاد ہے جب۲۰۰۸ء میں عمامہ کی فضیلت سے متعلق احادیث وآثار کی تردید میں ایک ہم مسلک مفتی صاحب کی لکھی ہوئی کتاب ''عمامہ اورٹوپی کی شرعی حیثیت'' کے جواب میں فقیر نے کتاب ''دفع الخمامہ عن احادیث العمامہ'' تحریر کی تھی اس وقت اس کتاب کی سخت ضرورت محسوس ہوئی تھی۔ تلاش بسیار کے بعد بھی فقیر کو یہ

کتاب دستیاب نہیں ہوئی تھی۔ البتہ کچھ اردو کتابوں میں درج چند عبارات ہی میسر آئی تھیں اورانہیں پر اکتفا کرنا پڑا تھا۔

فقیر اپنی کتاب ''دفع الحمامہ عن احادیث العمامہ'' کے سلسلے میں یہاں اس قدر بیان کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ یہ کتاب مفتی ارشد جمال اشرفی کچھوچھوی صاحب کی کتاب ''کتاب عمامہ اور ٹوپی کی شرعی حیثیت'' کے جواب میں لکھی گئی تھی۔

''کتاب عمامہ اور ٹوپی کی شرعی حیثیت'' میں فضیلت عمامہ پر مشتمل چند احادیث پر سخت منفی ریمارک کیا گیا تھا۔ احادیث کے متن پر بلاوجہ کے استحالات اور راویوں کے تعلق سے بے جا تنقیدات کا سہارا لے کر عمامہ کی فضیلت پر وارد جملہ احادیث کو موضوع و من گڑھت یا شدید الضعف ثابت کر کے ناقابل عمل قرار دینے کی حد بھر کوشش کی گئی تھی اور عمامہ اور ٹوپی کو مستوی العمل قرار دیا گیا تھا۔ حد تو یہ کہ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت محدث بریلوی قدس سرہ کو خاص کر نشانہ بنا کر عمامہ کی فضیلت پر اعلیٰ حضرت کی بیان کردہ احادیث اور تشریحات کو غلط بتایا گیا تھا۔ بلکہ متعدد مقامات پر اعلیٰ حضرت پر تعصب آمیز طنز و تنقید کا بھی سہارا لیا گیا تھا۔ ایک مثال پیش کی جاتی ہے:

''عمامہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت متواترہ ہے جس کا تواتر سرحد ضروریات دین تک پہنچا ہے...... تو عمامہ کہ سنت لازمہ دائمہ ہے۔''

[فتاوی رضویہ قدیم: ج۳ص۷۶]

اعلیٰ حضرت کی اس عبارت کو نشانہ بنا کر موصوف نے لکھا:

''لہٰذا جو لوگ عمامہ کو حضور کی سنت لازمہ دائمہ سمجھتے ہیں یا اسے حضور کی سنت متواترہ قرار دیتے ہیں اور اس کے تواتر کو سرحد ضروریات دین تک پہنچا ہوا خیال کرتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں۔ ان پر حدیث واصول حدیث اور تاریخ وسیر کے معاملات پوشیدہ رہ گئے ہیں'' [عمامہ.....ص۸۵]

بالجملہ: فقیر نے اس کتاب کے مندرجات کے جوابات حدیث، اصول حدیث، فن اسماء رجال، فقہ، اصول فقہ، تاریخ اور سیر کی معتبر و مستند کتابوں کی روشنی میں پیش کئے ہیں، قارئین کتاب پڑھ کر ان شاء اللہ محظوظ ہوں گے۔

خیر اب جب کہ اس کتاب "دفع الحمامہ عن احادیث العمامہ" (احادیث عمامہ پر شبہات کا ازالہ) کی دوسری اشاعت کی تیاری چل رہی تھی فقیر کو "المقالۃ العذبہ فی العمامۃ والعذبۃ" کتاب کی ضرورت محسوس ہوئی۔ تو اس سلسلہ میں سوشل میڈیا پر احباب سے رابطہ کیا، بھلا ہو محترم عزت مآب حضرت مولانا اخلاق احمد صاحب قبلہ کامروی حضرو اٹک پنجاب کا، کہ انہوں نے اس کتاب کی اسکین پی ڈی ایف عنایت فرمائی۔ اللہ پاک موصوف محترم کو اپنی رضا و خوشنودی عطا کرے اور دارین کی سعادتیں نصیب فرمائے۔

کتاب حاصل ہو جانے کے بعد فقیر نے اس کا مطالعہ شروع کیا تو مطالعہ کے دوران اس بات کا احساس ہوا کہ ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری کا یہ رسالہ بہت ہی اہم ہے اور عمدہ انداز میں تصنیف کیا گیا ہے اسے عوام و خواص تک پہنچا دینا چاہئے جو ایک بڑی سعادت ہو گی، اس لیے فقیر نے اس رسالہ کا اردو ترجمہ کرنے کا ارادہ کیا اور الحمد للہ چند دنوں میں ترجمہ کے ساتھ تخریج و حاشیہ کا کام بھی مکمل ہو گیا۔

یہاں یہ بھی بتانا ضروری ہے کہ رسالہ پر تحقیق و تعلیق کا کام عربی محقق محمد برکات نے کیا ہے، مگر انہوں نے بہت سے مقامات پر عبارات کی تخریج نہیں کی ہے۔

فقیر نے از سر نو جملہ احادیث و آثار اور عبارات علما کی تخریج کی ہے اور جہاں ضرورت محسوس ہوئی وہاں حاشیہ بھی لکھا ہے۔ ساتھ ہی آیات قرآنیہ کا ترجمہ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت محدث بریلوی قدس سرہ کے ترجمہ قرآن کنز الایمان سے نقل کیا ہے۔

الغرض کتاب کا ترجمہ، تخریج اور حاشیہ کا کام مکمل کر کے کئی احباب کو پروف ریڈنگ کے لیے پیش کیا مگر ان کی مصروفیات کا عذر سن کر کئی ماہ تک کتاب کی طباعت و اشاعت کو

التوا میں ڈالنا پڑا۔ وہ تو بھلا ہو محترم فاضل جلیل حضرت علامہ مولانا افضال حسین نقشبندی دام ظلہ کا جنھوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر اس کتاب کی پروف ریڈنگ فرمائی، اور کتاب کے حوالے سے اپنا قیمتی تاثر عنایت کیا، ساتھ ہی ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی سوانح پر مشتمل علمی و تحقیقی مقالہ عنایت فرمایا۔ اللہ پاک موصوف کو اس کار خیر میں تعاون کرنے کا بہتر صلہ عطا فرمائے، اور دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور فرمائے۔ اور انہیں مزید ترقیاں، بلندیاں اور کامیابیاں نصیب کرے۔ آمین۔

آخر میں ہم شکر گزار ہیں اپنے کرم فرما محترم حضرت مولانا اختر القادری صاحب قبلہ مہراج گنجوی کے جنھوں نے اس کتاب کی طباعت کی ذمہ داری قبول فرمائی۔ محترم موصوف بہت ہی مخلص، متحرک و فعال شخص ہیں۔ اور بہت سی خوبیوں کے مالک ہیں۔ مذہبی و مسلکی سرگرمیوں میں کافی دلچسپی لیتے ہیں اور حتی المقدور مذہبی و مسلکی خدمات بھی انجام دیتے رہتے ہیں۔ دعا ہے مولیٰ تبارک و تعالیٰ محترم موصوف کو جزائے خیر عطا فرمائے، دارین کی سعادتوں سے نوازے، معاشی ترقیاں عطا فرمائے اور مزید مذہب و مسلک کی خدمت کی توفیق بخشے۔ آمین بجاہ النبی الکریم علیہ الصلاۃ والتسلیم۔

نیاز مند:

محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی غفرلہ ولوالدیہ

تاثر گرامی

فاضل جلیل حضرت علامہ مولانا افضال حسین نقشبندی مجددی دام ظلہ

''المقالۃ العذبہ فی العمامۃ والعذبۃ'' یہ کتاب عمامہ اور شملہ کی فضیلت اور اس کی مقدار و کیفیت کے موضوع پر لکھی گئی محدث جلیل امام ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی بہت عمدہ اور منفرد تصنیف لطیف ہے، جس میں امام مذکور نے کتاب و سنت، آثار صحابہ و تابعین اور اقوال سلف سے مسئلہ کو واضح کیا ہے۔

کتاب کی افادیت و اہمیت اس بات کا اشد تقاضا کرتی تھی کہ اس کو اردو قالب میں ڈھالا جائے تاکہ خواص کے ساتھ ساتھ عوام اہل سنت بھی اس سے بھرپور استفادہ کر سکیں۔ بھلا ہو مفتی اعظم اترا کھنڈ ہند، خلیفہ تاج الشریعہ، محقق اہلسنت، مصنف کتب کثیرہ، فضیلت الشیخ، حضرت علامہ مولانا مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی دام اقبالہ کا جنھوں نے اس ضرورت کو پورا ہی نہیں کیا بلکہ پورا کرنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ آپ دور حاضر کے جواں فکر علماے اہل سنت میں ایک امتیازی شان کے صاحب بصیرت، مصنف و محقق ہیں، علوم قرآن و سنت کے علاوہ تاریخ اسلام کی روایات اور اس فن کے اصول جرح اور اسماء الرجال پر گہری نگاہ رکھتے ہیں. اللھم زد فزد.

راقم الحروف کو ترجمہ کی پروف ریڈنگ کے دوران بالاستیعاب پڑھنے کی سعادت حاصل ہے. ترجمہ انتہائی سلیس اور خوب احسن انداز میں تحریر کیا گیا ہے۔ ترجمہ کا نام

"فضائل عمامہ اور شملہ احادیث وآثار کی روشنی میں"

رکھا گیا ہے ۔ ترجمہ کے ساتھ ساتھ کتاب میں موجود آیات، احادیث، آثار صحابہ اور اقوال سلف کی مکمل تخریج اور متعدد مقامات پر لکھے گئے حواشی نے کتاب کی اہمیت و

افادیت کو مزید بڑھادیا ہے بلکہ اس کے حُسن کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔

راقم الحروف کی دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب، نبی مکرم، شفیع معظم، نور مجسم، فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے قبلہ مفتی صاحب کی اس دینی خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبولیت عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ والہ وسلم۔

(نوٹ) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ جو (۱۱۰) صفحات پر مشتمل ہے۔ احقر نے حال ہی میں لکھا تھا مفتی صاحب کی فرمائش پر اسے مختصر کر کے یہاں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ قارئین اگلے صفحات پر ''تذکرہ امام ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ'' کے عنوان سے ملاحظہ فرمائیں۔ فقط۔

خادم مسلک اہلسنت محمد افضال حسین نقشبندی مجددی

مدرس جامعہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ سانگلہ ہل ضلع

ننکانہ صاحب پنجاب پاکستان

تذکرہ امام ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

نام ونسب:

امام، علامہ، محدث، مفسر، فقیہ، نور الدین ابو الحسن علی بن سلطان محمد قاری ہروی مکی حنفی المعروف بہ ملا علی قاری۔ آپ کا لقب: نور الدین اور کنیت: ابو الحسن ہے۔ اور آپ کا نام علی اور آپ کے والد ماجد کا نام سلطان محمد ہے۔ یہ نام دو لفظوں سے مرکب ہے۔ اہل عرب اس طرح کا نام نہیں رکھتے ہیں، البتہ عجمیوں کی عادت ہے کہ وہ اپنے بچوں کے نام مرکب رکھتے ہیں مثلاً: محمد صادق، محمد اسعد وغیرہ۔ فن قرأت میں کمال ورسوخ حاصل ہونے اور علم قرأت میں ماہر، پختہ اور منجھے ہوئے ہونے کی وجہ سے آپ کو ''قاری'' کہا جاتا ہے۔ اور یہ چیز آپ کی مؤلفات اور شروحات سے ظاہر وباہر ہے۔

آپ کے نام کے ساتھ ''ہروی'' جائے ولادت ہرات (جو خراسان کے معروف شہروں میں سے ایک ہے) کی طرف نسبت کی وجہ لکھا جاتا ہے۔ مکہ مکرمہ میں کعبہ معظمہ کے قرب میں عرصہ چالیس سال سے زیادہ اقامت کی وجہ سے آپ کو ''مکی'' کہا جاتا ہے۔ فقہ حنفی کے عظیم فقیہ اور شارح ہونے کی وجہ سے آپ ''حنفی'' ہیں، مگر ارباب علم ودانش اور اصحاب فضل وکمال کے درمیان ''ملا علی قاری'' کے نام سے مشہور ومعروف ہیں۔

ولادت باسعادت:

آپ کے سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کی ولادت خراسان (موجودہ جمہوریہ افغانستان) کے بڑے شہر ''ہرات'' میں ہوئی۔ لیکن اہل تراجم آپ کی تاریخ ولادت کا کوئی تعین نہیں کر پائے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ عموماً بچوں کی پیدائش پر ان کی تاریخ وسن ولادت کو قلم بند کرنا اہم تصور نہیں کیا جاتا کیونکہ وہ اس کی ضرورت واہمیت سے ناواقف ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے آپ کی تاریخ وسن ولادت کے ساتھ بھی کچھ یہی ہوا ہو۔ بہر حال آپ کے سیرت نگاروں نے آپ کی تاریخ وسن ولادت ذکر نہیں کی بلکہ فقط

جائے ولادت کے تذکرہ پر اکتفا کیا ہے۔ تاہم ایک محتاط اندازے کے مطابق آپ کی پیدائش ۹۳۰ھ کے قریب ہوئی۔

تعلیم وتربیت:

آپ ہرات میں ہی پروان چڑھے وہیں پرورش پائی۔ یہ تیموریوں کا دور تھا ہرات پر بھی انہیں کی حکومت تھی۔ جو سن ۸۱۷ھ سے لے کر سن ۹۱۲ھ تک رہی۔ تیموریوں کا دورِ حکومت فن ثقافت، فنونِ لطیفہ اور تعمیرات کا سنہرا دور تھا۔ آپ کی ولادت اور پرورش کے ایام میں ہرات ایک علمی، فنی حیثیت سے خوب مشہور تھا۔ جس کی طرف دیگر علاقوں کے لوگ بھی حصول علم کی غرض سے رخت سفر باندھا کرتے تھے۔ علوم ومعارف اور ثقافت اسلامیہ کے گہوارہ "ہرات" میں ہی آپ نے اپنی تعلیمی زندگی کا آغاز فرمایا۔ قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی اور صفائے قلب کے ساتھ اسے اپنے سینے میں اتارا۔ اور تجوید و قرأت میں اپنے شیخ معین الدین بن حافظ زین الدین ہروی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مہارت تامہ حاصل کی۔ ہرات کے نامور ذی احتشام علماء کرام سے مروجہ علوم وفنون حاصل کئے۔ اسی دور میں آپ نے "الشاطبیہ" کو زبانی یاد کیا۔ "قرأت سبعہ" مع طرق سیکھیں اور ان میں خوب مہارت حاصل کی۔

دورِ آزمائش:

تیموریوں کے زوال کے بعد ایران تقریباً دس چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ ان میں سب سے طاقتور حکومت "آق قویلونلو" ترکمانوں کی تھی اور "تبریز" سے "دیار بکر" تک کا علاقہ ان کے قبضے میں تھا۔ اسماعیل بن حیدر صفوی المعروف "شاہ اسماعیل" جو کہ کٹر رافضی اور خاندان صفویہ کے پہلے بادشاہوں میں سے تھا جب یہ تخت شاہی پر براجمان ہوا تو اس کی عمر اپنے ہمعصر بابر کی طرح صرف تیرہ سال تھی۔ لیکن کم عمری کے باوجود ذہین اور شجاعت کا مالک تھا۔ "باکو" اور "شیروان" کو فتح کرنے کے بعد شاہ

اسماعیل نے ''تبریز'' پر قبضہ کر کے ''آق قویونلو'' حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ پھر مزید فتوحات کر کے اس نے جنوب میں ''شیراز'' اور ''یزد'' تک، مشرق میں ''استرایار'' تک اور مغرب میں ''بغداد'' اور ''موصل'' تک اپنی سلطنت کی حدوں کو بڑھالیا تھا۔

''ہرات'' میں تیموری حکمران ''حسین بائیقرا'' کے انتقال کے بعد ''شیبانی خان'' ''ہرات'' اور ''خراسان'' پر قابض ہو گیا تھا۔ ۱۵۱۰ء میں ''مرو'' کے قریب طاہر آباد میں ''شیبانی خان'' اور ''شاہ اسماعیل'' میں سخت جنگ ہوئی جس میں ازبکوں کو شکست ہوئی اور ''شیبانی خان'' مارا گیا۔ ازبکوں کی شکست کے بعد خراسان بھی ''شاہ اسماعیل'' کے قبضے میں آ گیا۔ اب وہ ایران، عراق اور شیروان کا بلا شرکت غیرے مالک ہو گیا تھا۔ اور اب اس کی طاقت اپنے نقطہ عروج پر پہنچ گئی تھی۔ شاہ اسماعیل کو اس کی فتوحات نے غرور میں مبتلا کر دیا تھا۔ شاہ اسماعیل صفوی سے ایران کے ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ جسے ایران کا شیعی دور کہا جا سکتا ہے۔ اس سے قبل ایران کے بعض حصوں پر شیعہ خاندان کبھی کبھی حکمران رہے ہیں۔ لیکن ایران میں اکثریت سنی حکمرانوں کی رہی تھی اور سرکاری مذہب بھی اہل سنت کا تھا لیکن شاہ اسماعیل نے تبریز پر قبضہ کرنے کے بعد شیعیت کو ایران اور اپنے دیگر مفتوح علاقوں کا سرکاری مذہب قرار دیا۔ شاہ اسماعیل نے نہ صرف شیعیت کو مفتوح علاقوں اور ایران کا سرکاری مذہب قرار دیا بلکہ اس نے شیعیت پھیلانے میں تشدد اور بدترین تعصب کا بھی ثبوت دیا۔ لوگوں کو شیعیت قبول کرنے پر مجبور کیا گیا۔ بغداد میں اس نے عباسی خلفاء کے مقبرے تک ڈھا دیئے۔ بلکہ سیّدنا امام اعظم ابو حنیفہ اور سیّدنا حضور غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہما کے گنبد اور مزار سمیت بہت سے بزرگوں کے مزارات گرا دیئے۔ اور اہل سنت کی مساجد بھی شہید کروا دیں۔ اس وقت تک ایران اور اس کے دیگر مفتوح علاقوں میں اہل سنت کی اکثریت تھی۔ مگر شاہ اسماعیل نے اہل سنت کو شدید جبر و تشدد کا نشانہ بناتے ہوئے دو آپشن دیئے، یا تو شیعہ ہو جاؤ یا پھر فوت ہو جاؤ۔ جگہ جگہ سنی شیعہ فسادات کرائے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق چالیس لاکھ سنی مسلمانوں کو

شہید کرایا اور باقیوں کو شیعہ بننے پر مجبور کر دیا۔ بڑے بڑے علما اور مشائخ کو سولی چڑھا دیا گیا، خلفاے ثلاثہ (یعنی حضرت سیّدنا ابو بکر صدیق، حضرت سیّدنا عمر فاروق اور حضرت سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہم) پر تبرا (یعنی گالی گلوچ) کو جمعہ کے خطبے میں لازم کر دیا گیا۔ تو ان حالات سے عاجز آکر بہت سے علمائے کرام ترک وطن پر مجبور ہو گئے۔ انہیں مہاجرین میں حضرت امام ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ بھی تھے۔

ہجرت:

ان حالات سے عاجز آکر آپ نے بھی دیگر علماء کے ساتھ ہجرت فرمائی، موٴرخین نے ہجرت کا سال ذکر نہیں کیا۔ مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ آپ ۹۵۲ھ کے بعد مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔

اعلیٰ تعلیم کا حصول:

مکہ مکرمہ میں آپ کو علماے مکہ سے بھرپور استفادہ کا موقع ملا، ان کے علمی فیضان سے آپ خوب مالا مال ہوئے یہ ہجرت آپ کی زندگی میں انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ اس لئے کہ مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران آپ کو ایک لمبی مدت تک علما و مشائخ کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا، اس مدت میں پورے ذوق و شوق اور جدوجہد کے ساتھ حصول علم میں مصروف رہے۔ آپ نے مکہ مکرمہ میں موجود علما و فقہا، ائمہ و محدثین اور مفسرین و متکلمین کے سامنے زانوئے تلمذ طے کئے، اور ان کی مجالس میں شرکت کر کے ان کے خالص جام اور بہتے چشموں سے خوب سیر اب ہوئے۔ علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ، علم رجال اور دیگر علوم میں کامل دسترس حاصل کی۔ یہاں تک کہ آپ مقتدا و پیشوا بن گئے۔ مرقاۃ کے شروع میں موجود آپ کے حالات میں درج ہے کہ:

فلما دخل البلد الأمين طاب له المقام ولذله العيش فيه۔ وجلس في حلقات المشائخ والعلماء يرتشف من رحيقهم وينهل من معينهم ويرتع في رياض علمهم وما

أكثر العلماء في تلك العصور ا۔

یعنی جب آپ امن والے شہر (مکہ مکرمہ) میں داخل ہوئے تو وہاں آپ کی عزت میں اضافہ ہوا، آپ کا مقام خوب بلند ہوا، وہاں آپ کے لئے زندگی کی آسائشیں برسنے لگیں اور آپ بڑے بڑے علما اور مشائخ کے حلقوں میں بیٹھنے لگے، اکثر وقت ان علما و مشائخ کی سنگت اور معیت میں گزارتے ان کے علمی مذاکروں سے خوب استفادہ کرتے، آپ کے زمانے میں آپ سے زیادہ علما کی اس قدر کثیر تعداد سے کوئی اور فیض یاب نہیں ہو پایا۔"[مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ترجمۃ الامام ملا علی القاری، نشأتہ العلمیۃ، ص: ۱۷ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ سر کی روڈ کوئٹہ]

اساتذہ کرام:

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے کثیر علمائے کبار سے علوم شرعیہ و اسلامیہ کی تحصیل کی۔ خاص طور پر جب آپ نے مکہ مکرمہ میں سکونت اختیار کی تو اس دوران عالم اسلام کی سرکردہ شخصیات سے علم و حکمت کے جام نوش کئے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے تذکرہ نگاروں نے آپ کے ان اساتذہ کا تذکرہ نہیں کیا ہے جن سے "ہرات" میں آپ نے تعلیم حاصل کی۔ ہاں! خود آپ نے اپنے رسالہ "شم العوارض فی ذم الروافض" میں اپنے ایک استاذ "شیخ معین الدین بن حافظ زین الدین" کا تذکرہ کیا ہے۔ جن سے آپ نے علم تجوید و قرأت حاصل کیا: اور مکہ مکرمہ میں جن اساتذہ و شیوخ سے آپ کو شرف تلمذ حاصل ہوا، ان کے اسماء درج ذیل ہیں:

(۱) شیخ، شہاب الدین ابو العباس احمد بن محمد بن علی بن حجر ہیتمی شافعی مکی المعروف بہ ابن حجر الہیتمی المکی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۹۷۳ھ)

(۲) علامہ، شیخ علاء الدین بن حسام الدین عبد الملک بن قاضی خان قرشی جونپوری ہندی المعروف بہ علی المتقی الہندی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۹۷۵ھ)

(۳) شیخ، عالم، محدث محمد سعید ابن مولانا خواجہ حنفی خراسانی المعروف بہ میرلاں رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۹۸۱ھ)

(۴) علامہ، شیخ زین الدین عطیہ مکی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۹۸۲ھ)

(۵) علامہ ملا عبد اللہ بن سعد الدین عمری حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۹۸۴ھ)

(۶) علامہ ابو عیسیٰ قطب الدین محمد بن علاء الدین حنفی المعروف بہ القطبی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۹۹۰ھ)

(۷) علامہ، فقیہ، شیخ شہاب الدین احمد بن بدر الدین العباسی، شافعی مصری ثم ہندی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۹۹۲ھ)

(۸) علامہ، شیخ، محدث، فقیہ، مفسر اَبی الحسن محمد بن جلال الدین شافعی مصری رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۹۵۲ھ)

(۹) علامہ، فقیہ، واعظ، شیخ سنان الدین یوسف بن عبد اللہ الاَماسی رومی حنفی مکی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۰۰۰ھ)

(۱۰) علامہ، سیّد زکریا الحسنی رحمہ اللہ تعالیٰ (جو شیخ اسماعیل بن عبد اللہ الزوانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے تلامذہ میں سے ہیں۔)[مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ترجمۃ الامام ملا علی القاری، شیوخہ، ص: ۱۷، ۱۸ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ، باب: صلاۃ اللیل، تحت الرقم: ۱۲۰۶، جلد: ۳، ص: ۹۱۲ مطبوعہ دارالفکر بیروت، لبنان]

فقہی مذہب:

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ حنفی المذہب ہیں اور آپ کا شمار اجلہ فقہاے احناف میں ہوتا ہے۔ آپ کی زندگی اپنے فقہی مذہب کی تائید و ترجیح اور اس کی ترویج و اشاعت کے لئے وقف رہی۔ آپ نے اپنی متعدد کتب میں اور اس کے علاوہ "مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح" میں بھی اس مذہب کی خوب تائید و تقویت فرمائی ہے۔ آپ راسخ الاعتقادی اور

اپنے مذہب کی ترجمانی میں شہرہ آفاق تھے۔ خیر الدین بن محمود الزرکلی (المتوفی ۱۳۹۶ھ) نے بھی دیگر سیرت نگاروں کی طرح آپ کو "فقیہ حنفی" لکھا ہے ملاحظہ ہو۔

[الزرکلی: الاعلام فی قاموس تراجم، رقم الترجمۃ: الملا علی القاری، جلد: ۵، ص: ۱۲، مطبوعہ دارالعلم للملایین بیروت، لبنان]

فن خطاطی میں ید طولیٰ:

تحریر و کتابت اور خوشنویسی و خطاطی اُمت مسلمہ کا ثقافتی اور تہذیبی ورثہ ہے۔ اس سلسلے میں بے شمار اہل فن و خطاط حضرات اپنے اپنے ادوار میں لائق صد تحسین وستائش کارنامے انجام دے چکے ہیں اور اپنی ماہرانہ و فنکارانہ دسترس و چابکدستی کا لوہا منوا چکے ہیں۔ انہیں میں سے ایک نام امام ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی ہے۔ آپ نے فن خطاطی اور خطاطوں کے لئے جو بیش بہا خدمات انجام دیں وہ احاطہ تحریر سے باہر ہیں۔ اپنے دور میں آپ کو فن خطاطی میں امامت کا مقام حاصل رہا ہے۔ فن خطاطی میں آپ کو کمال اور ید طولیٰ حاصل رہا۔ آپ نے اس فن میں شیخ حمد اللہ الاَمَاسی (جو اس دور کے مشہور و معروف خطاط تھے) سے استفادہ کیا۔ شیخ محمد طاہر بن عبد القادر خطاط کردی مکی نے آپ کی خوشنویسی کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

كان يكتب الخط الحسن والغالب انه اخذ الخط عن الشيخ حمد الله الأماسي

یعنی آپ رحمہ اللہ تعالیٰ بڑے اعلیٰ خطاط تھے انہوں نے اس فن کی مشق شیخ حمد اللہ اماسی سے فرمائی۔" [تاریخ الخط العربی وآدابہ، ص: ۲۹۲ مطبوعہ التجاریۃ الحدیثیۃ مصر]

زہد و تقویٰ:

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ زاہد، عفیف، راضی بالرضاء رہنے والے، کثرت سے عبادت کرنے والے اور پرہیز گار شخصیت کے مالک تھے۔ تقویٰ و پرہیز گاری کے ساتھ ساتھ دنیا سے بے رغبتی بھی آپ میں موجود تھی۔ آپ امراء و حکام کی قربت، ان کے تحفے تحائف

قبول کرنے اور سرکاری منصب کو قبول کرنا اخلاص و تقویٰ کے لئے انتہائی ضرر رساں سمجھتے تھے۔ آپ نے ایک رسالہ تصنیف فرمایا اور اس کا نام رکھا: ''تبعید العلماء عن تقریب الأمراء'' (علماء کو حکام کے قرب سے دور کرنا)، آپ اکثر اوقات یہ بات کیا کرتے تھے۔

رحم الله والدی کان یقول لی: ما ارید أن تصیر من العلماء خشیة ان تقف علی باب الأُمراء

یعنی اللہ تعالیٰ میرے والد پر رحم فرمائے! وہ مجھ سے کہا کرتے: میں تمہیں عالم نہیں بنانا چاہتا، اس لئے کہ مجھے خوف ہے کہ کہیں تم امراء و حکام کی گداگری نہ کرتے پھرو۔''

[خلیل ابراہیم قوتلانی: الامام علی القاری و أثرہ فی علم الحدیث، ص:۵۸۹ بحوالہ تذکرۂ مجددین اسلام، ص:۳۰۲ مطبوعہ مکتبہ قادری رضوی ورائٹی ہاؤس دربار مارکیٹ لاہور]

ذریعہ معاش:

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے سلف صالحین کی صفات اپنائیں، نفسانی خواہشات اور گناہوں سے بچتے رہے نیز اپنے ہاتھ کی کمائی سے حاصل ہونے والے مال پر قناعت کرکے، بقدر ضرورت رزق پر راضی رہ کر اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے پوری زندگی گزاری۔ آپ کے تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ ہر سال خوبصورت کتابت کے ساتھ ایک قرآن پاک لکھتے تھے۔ اس کی فروخت سے حاصل شدہ آمدنی آپ کے ایک سال کے لئے گزر بسر کے لئے کافی ہوتی تھی۔ خیر الدین بن محمود الزرکلی نے لکھا ہے کہ:

کان یکتب فی کل عام مصحفا وعلیه طرر من القرآت والتفسیر فیبیعه فیکفیه قوته من العام العام۔

یعنی آپ رحمہ اللہ تعالیٰ ہر سال ایک مصحف (قرآن مجید) لکھتے تھے اور اس پر اختلاف قرأت اور تفسیر کا حاشیہ ہوتا تھا۔ اس سے جو پیسے ملتے وہ دوسرے سال تک آپ کے خرچ کے لئے کافی ہو جاتے تھے۔'' [الزرکلی: الاعلام فی قاموس تراجم، رقم الترجمۃ: الملا علی القاری، جلد:۵، ص:۱۲ مطبوعہ دار العلم للملائیین بیروت، لبنان]

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ ''الکاسب حبیب اللہ'' کے مطابق اپنے ہاتھ کی کمائی پر قناعت کرتے تھے۔ ان کی زندگی میں زہد وعفت اور بقدر کفایت پر راضی رہنے کی صفت بہت نمایاں تھی۔

سلسلہ طریقت وتصوف:

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ، قادریہ اور چشتیہ وغیرہ میں اپنے زمانے کے مشائخ سے خرقہائے خلافت حاصل کئے۔ ایک عرصہ تک مشائخ کی بارگاہوں میں حاضر ہوتے رہے ان کی خدمت کا حق ادا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اسی لئے سب مشائخ سے انوار وبرکات اور فیوضات حاصل کئے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی ولایت اور مقبولیت و مرجعیت زبان زد خاص و عام تھی۔ چنانچہ شیخ مستقیم زادہ سلیمان سعد الدین آفندی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۲۰۲ھ) فرماتے ہیں کہ:

''ملا علی (قاری رحمہ اللہ تعالیٰ) مذہباً حنفی اور مشرباً نقشبندی تھے۔''

[سعد الدین آفندی: تحفۂ خطاطین، ص:۳۲۴ مطبوعہ استنبول]

جلالت ومکانت علمی:

حضرت امام ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ سن بلوغت ہی سے استفادہ علمی اور طلب علم میں مصروف و مشغول رہے۔ اکابرین و اساطین کی مجالس و دروس اور بارگاہوں میں خوب وقت گزارا۔ پھر وہ وقت بھی آیا کہ آپ اصول، حدیث، تفسیر، تصوف اور معقولات میں انتہائی ماہر ہوگئے، اور اپنے ہم عصر حضرات علماء سے فائق شمار ہونے لگے۔ اور ان کی شہرت امام، علامہ، محدث کبیر اور عظیم مفکر کی حیثیت سے ہونے لگی۔ اور یہ بھی کہ وہ بہت سے علوم عقلیہ و نقلیہ میں ماہر ہیں، فن حدیث و تفسیر، قرأت و اصول، اور علم کلام پر دسترس رکھتے ہیں۔ عربیت، علم لسانیات اور بلاغت میں سے ہر ایک پر مکمل گرفت ہے۔ اور ان تمام فنون و علوم کی باریکیوں کو خوب جانتے ہیں۔ اور ان کے محاسن و غوامض کی

پر کھ کے ساتھ ساتھ، عمیق مباحث اور مشکل مقامات کے حل پر قادر ہیں۔ انہیں صفات کی وجہ سے ان کا شمار کامل اور راسخین فی العلم علماء میں ہونے لگا۔ آپ میں اتنے کمال جمع تھے کہ آپ کا ذکر ضرب المثل کے طور پر کیا جانے لگا۔ آپ کے تذکرہ نگار علمانے آپ کے تفوق و برتری کا اعتراف اور آپ کی جلالت و مکانت علمی کا اقرار بڑے کھلے الفاظ میں کیا ہے۔ ہم یہاں اختصار کے پیش نظر بس دو حوالوں پر اکتفا کر رہے ہیں:

(۱) محمد امین بن فضل اللہ الحموی الدمشقی علیہ الرحمۃ (المتوفی ۱۱۱۱ھ) فرماتے ہیں کہ:

أحد صدور العلم، فريد عصره الباهر السمت فی التحقيق و تنقيح العبارات وشهرته كافية عن الاطراء فی وصفه۔

یعنی آپ رحمہ اللہ تعالیٰ صدر العلما، یکتائے زمانہ اور تحقیق علم، اور تنقیح عبارات کے فن میں ایک نشان کی حیثیت رکھتے تھے اور ان کی شہرت ان کی تعریف و توصیف میں مبالغہ آرائی سے بے نیاز کر دیتی ہے۔"

[المحبی: خلاصۃ الأثر فی أعیان القرن الحادی عشر، جلد:۳، ص:۱۸۵ مطبوعہ دار صادر بیروت، لبنان]

(۲) شیخ علامہ محمد امین المعروف ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۲۵۲ھ) نے آپ کو ان القابات سے یاد فرمایا ہے:

خاتمة القراء والفقهاء والمحدثين ونخبة المحققين والمدققين سيّدی منلا علی القاری عليه رحمة ربه الباری

یعنی سیّدی ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ الباری قراء، فقہا اور محدثین کے خاتم اور محققین و مدققین میں بلند درجہ رکھتے تھے۔"[ابن عابدین: مجموعۃ رسائل ابن عابدین، الرسالۃ الخامسۃ، رفع التردد فی عقد الاصابع عند التشہد، جلد:۱، ص:۱۳۰ مطبوعہ مکتبہ محمودیہ سرکی روڈ کوئٹہ]

خدمت قرآنِ مجید:

بچپن ہی سے آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کو کلامِ الٰہی سے خاص انس تھا اور انہوں نے

اسے زبانی یاد کر لیا تھا۔ ہر وقت اس کی تلاوت کرتے۔ قرأت و تجوید اور علم تفسیر کی مشاہیر فضلا سے تحصیل کی تھی۔ پھر فن قرأت و تجوید اور علوم قرآنی میں ماہر و ممتاز مانے جانے لگے۔ قرآن مجید سے آپ کے خاص شغف اور لگاؤ کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ آپ ہر سال دو قرآن مجید خوبصورت خط کے ساتھ اپنے ہاتھ سے لکھا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ نے قرآن مجید کی تفسیر پر بھی کام کیا ہے۔ جلالین کا حاشیہ بنام "جمالین" تحریر فرمایا۔ اس کے علاوہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید فرقان حمید کی ایک مفصل اور مستقل تفسیر بھی تحریر فرمائی۔ جو آپ کی علوم قرآنیہ، علوم تفسیر و تشریح میں مہارت تامہ کی منہ بولتی تصویر ہے۔ تفسیر کا مطالعہ کر کے زبان سے بے ساختہ نکلتا ہے کہ "آپ عدیم النظیر مفسر بھی تھے" آپ نے کلام الٰہی کی خدمت کا حق ادا کرنے کی بھرپور کوشش و سعی عظیم کی ہے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تفسیر کا نام: "انوار القرآن وأسرار الفرقان المعروف بہ تفسیر الملا علی القاری" ہے اور اس پر تحقیق: ڈاکٹر ناجی السوید نے کی ہے۔ اور آپ کی یہ تفسیر ۵ جلدوں میں "دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان" سے مطبوع ہے۔

تجدیدی خدمات:

امام ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ بدعات، منکرات اور خرافات کا سختی سے رد فرمایا کرتے تھے اور جہاں تک ممکن ہو تا ہاتھ یا زبان سے ان کے سد باب کی بھرپور کوشش فرمایا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں کبھی کسی سے خوفزدہ نہ ہوتے، ضرورت پیش آتی تو علما و حکام کی بھی سرزنش سے نہ چوکتے۔ اپنی کتب میں کئی مقامات پر آپ نے جرأت و دلیری اور دلائل کے ساتھ بدعات، منکرات اور خرافات کی نشاندہی کرنے کے ساتھ ساتھ ان کا رد بلیغ بھی کیا ہے۔ چند مقامات ملاحظہ ہوں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان:

مھلا یا خالد فوالذی نفسی بیدہ لقد تابت توبۃً لوتابھا صاحب مکسن لغفرلہ

کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

والعجب كل العجب من علماء زماننا ومشايخ أواننا انهم يقبلون منهم هذا المال ويصرفونه فى تحصيل المنال، ولايتأملون فى المال نسأل الله تعالىٰ العافية والرزق الحلال، وسن الأعمال۔

یعنی تعجب بالائے تعجب ہے ہمارے زمانے کے ان علما اور ہمارے وقت کے ان مشائخ پر، کہ وہ لوگوں سے یہ حقیر مال لیتے ہیں، اور پھر اسے مناصب کی تحصیل میں خرچ کرتے ہیں، اور انجام کے بارے میں کچھ نہیں سوچتے۔ ہم اللہ تعالیٰ ہی سے عافیت اور رزق حلال اور اچھے اعمال کی توفیق کا سوال کرتے ہیں۔" [ملا علی قاری: مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب الحدود، تحت الرقم:۳۵۶۲، جلد:۶، ص:۲۳۴۷ مطبوعہ دارالفکر بیروت، لبنان]

اس حدیث: فأما ابل الشياطين فقد رأيتها يخرج أحدكم بنجيبات معه قد أسمنها فلا يعلو بعيرًا منها ويمر بأخيه قد انقطع به فلا يحمله۔ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

وقد حدث فى زماننا أعظم منه، وهو أن يكون مع الأكابر ابل كثيرة ويأخذوا ابل الضعفاء سخرةً، وربما تكون مستاجرةً فى طريق الحج، فيرموا الحمول عنها ويأخذوها، ولاحول ولاقوة الا بالله

یعنی ہمارے زمانے میں تو اس سے بھی بڑی بات ظہور پذیر ہوئی ہے۔ وہ یہ کہ آج کل کے اکابر کے ساتھ بہت سے اونٹ ہوتے ہیں، اور کمزور لوگوں کے (لاغر) اونٹوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اونٹ حج کے راستے میں کرائے پر لئے گئے ہوتے ہیں، اور وہ ان کے سامان کو (استہزاءً) نیچے گرادیتے ہیں۔ اور کبھی (جبراً) لے ہی لیتے ہیں، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔"

[ملا علی قاری: مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب الجہاد، باب: آداب السفر، تحت الرقم:۳۹۱۹، جلد:۶، ص:۲۵۲۱ مطبوعہ دارالفکر بیروت، لبنان]

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ حج کی ادائیگی کے دوران ہونے والی خلاف شرع باتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

ومن البدع المستنكرة: مايفعله كثير من الجهلة من ملازمة التزام البيت وتقبيله عند ارادة الطواف قبل الشروع فيه، اذ الذی سنه صلی الله علیه وسلم وهو النائب عن الله سبحانه و تعالی انما هو الابتداء من الحجر، فلا یناسب البداءة بغیره۔

یعنی ایک بری بدعت یہ پیدا ہو گئی ہے کہ بہت سارے جہلا بیت اللہ شریف کا طواف شروع کرنے سے پہلے ملتزم سے چمٹ جاتے ہیں اور اسے چومتے ہیں، حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ کار یہ تھا اور حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجر اسود سے طواف شروع فرماتے تھے، لہٰذا حجر اسود کے علاوہ سے طواف کی ابتداء مناسب نہیں ہے۔" تھوڑا آگے جاکر مزید یوں لکھتے ہیں:

ومن المنكر الفاحش: مايفعله الآن نسوان بمكة فی تلك البقعة من الاختلاط بالرجال، ومزاحمتهن لهم فی تلك الحالة، مع تزينهن بأنواع الزينة واستعمالهن ما يفوح منه الروائح العطرة، فيشوش بذلك علی متورعی الطائفين ويستجلن بسببه نظر الناظرين، وربما طاف بعضهن بكشف شیء من أعضائهن، لا سيما من أيديهن وأرجلهن، وقد تقع مماستهن فتنتقض الطهارة عند الشافعية، وتنعدم صحة طوافهن وطواف من مسهن۔

یعنی اور ایک دوسری فحش برائی یہ ہے کہ اس مبارک سرزمین میں قسم قسم کی زیب و زینت اور تیز خوشبوؤں سے معطر عورتوں کا مردوں سے اختلاط ہوتا ہے اور وہ مردوں کی مرکز توجہ بنتی ہیں۔ بسا اوقات ان کا کوئی عضو بے پردہ ہوتا ہے، خاص طور سے ہاتھ اور پاؤں کھلے رہتے ہیں۔ اس حالت میں کبھی کبھی مرد کے جسم کا کوئی حصہ عورت کے بدن سے چھو جاتا ہے جس سے شوافع کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس طرح مرد و عورت دونوں کا طواف جاتا رہتا ہے۔"

[ملا علی قاری: المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط، ص: ۲۴۰ مطبوعہ المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ]

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے علمائے سوء (برے علما) کا بھی خوب رد فرمایا لکھتے ہیں:

ويقرب من تقرب السلاطين ببناء المساجد والمدارس بالمال الحرام: تقرب

علماء السوٕ بتعلیم العلم للسفھاء والأشرار، والمشغولین بالفسق والفجور، القاصرین ھمھم علی مماراۃ العلماء ومجادلۃ السفھاء واستمالۃ وجوہ الناس وجمع حطام الدنیا وأخذ أموال السلاطین والیتامی المساکین فان ھؤلاء اذا تعلموا کانوا قطاع طریق اللہ، وانتھض کل واحد (منھم) من بلدتہ نائبا عن الدجال، یتکالب علی الدنیا ویتبع الھوی، ویتباعد عن التقویٰ ویستجری الناس بسبب مشاھدتہ علی حب الدنیا، ثم قد ینتشر (ذلک) العلم الی مثلہ وأمثالہ ویتخذونہ أیضا آلۃً ووسیلۃً (فی) الشر وأنواع المعاصی، ویتسلسل (ذلک) ووبال جمیعہ یرجع الی المعلم الذی علمہ العلم مع علمہ بفسادنیتہ وقصدہ ومشاھدتہ أنواع المعاصی من أقوالہ وأفعالہ وفی مطعمہ ومشربہ وملبسہ ومسکنہ (ومکتسبہ) فیموت ھذا العالم وتبقی آثار شرہ منتشرۃً فی العالم ألف سنۃ مثلاً (وألفی سنۃ)

یعنی مالِ حرام سے مساجد اور مدارس بنا کر بادشاہوں کا قرب حاصل کرنے کے قریب قریب یہ برائی بھی ہے کہ علمائے سوء کا بے وقوف، فسق وفجور میں مشغول اور برے لوگوں کو علم سکھا کر تقرب حاصل کرنا جو علما سے بحث ومباحثہ کرنے اور بے وقوفوں سے مناظرہ کرنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کرتے، دنیا کا سامان اکٹھا کرتے اور بادشاہوں، یتیموں اور مسکینوں کا مال لیتے ہیں۔ پس جب یہ لوگ علم حاصل کریں تو یہ اللہ تعالیٰ کی راہ کے ڈاکو ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے شہر میں دجال کا نائب بن کر نکلتا، دنیا کا بے انتہا حریص بنتا اور خواہش کی پیروی کرتا ہے۔ ایسا شخص تقویٰ سے دوری اختیار کرتا ہے تو لوگ اس کو دیکھ کر دنیا کی محبت پر جری ہو جاتے ہیں پھر بعض اوقات یہ علم اس کی مثل لوگوں کی طرف پھیل جاتا ہے اور وہ اسے برائی اور گناہوں کا آلہ اور ذریعہ بنا لیتے ہیں اور یہ سلسلہ عام ہو جاتا ہے۔ اور اس تمام برائی کا وبال اس معلم کی طرف لوٹتا ہے۔ جس نے اس کی فاسد نیت اور ارادے کو جاننے کے باوجود اسے علم سکھایا اور اس کے اقوال وافعال، کھانے، پینے، لباس، رہائش اور کمانے میں مختلف قسم کے گناہ اس عالم کے مشاہدے میں ہیں پس یہ عالم مر جاتا ہے لیکن اس کے شر کے آثار دنیا میں

ہزار (یا دو ہزار) سال تک پھیلے ہوئے باقی رہتے ہیں۔" [ملا علی قاری: تطہیر الطویۃ بتحسین النیۃ علماء السوء، ص: ۳۷، ۳۸ مطبوعہ دار الکتب صدف پلازہ محلہ جنگی پشاور]

دسویں صدی کے مجدد:

امام ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ ان جلیل القدر علما و محدثین میں سے ایک تھے جنہوں نے سنت نبوی کی ترویج و احیاء، بدعات و خرافات کا قلع قمع کرنے، اور علوم ظاہرہ و باطنہ کی نشر و اشاعت میں زندگی بسر کر دی۔ اور ان کی ذات سے عام نفع ہوا، اور لوگوں کو آپ کی کتب کی احتیاج بہت زیادہ رہی ہے۔ اسی وجہ سے بہت سارے علما و مؤرخین نے آپ کو دسویں صدی کا "مجدد" قرار دیا ہے۔

ابو الحسنات عبد الحیٔ لکھنوی (المتوفی ۱۳۰۴ھ) نے لکھا ہے کہ:

وقد طالعت تصانيفه المذكورة كلها نفيسة في بابها فريدة، وله غير ذلك من رسائل لاتعد و لاتحصى، وكلها مفيدة، بلغته الى مرتبة المجددية على رأس الألف

یعنی اور میں نے آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تمام مذکورہ تصانیف کا مطالعہ کیا، ہر ایک اپنے موضوع پر عمدہ اور یکتا ہے، مذکورہ تصانیف کے علاوہ بھی ان کے بے شمار رسائل ہیں، وہ سب کے سب مفید ہیں، ان رسائل و کتب نے آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کو دسویں صدی کے "مجدد" کے درجے تک پہنچا دیا ہے۔"

[التعلیقات السنیۃ بہامش الفوائد البہیۃ، ص: ۱۰ مطبوعہ مجلس برکات ہند]

لکھنوی صاحب اپنی ایک دوسری کتاب میں یوں رقمطراز ہیں:

"پہلی صدی کے مجدد بالاتفاق حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اور دوسری صدی کے مجدد بالاتفاق حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں اور تیسری صدی کے مجدد قاضی ابو العباس ابن شریح شافعی اور ابو الحسن اشعری اور محمد بن جریر طبری رحمہم اللہ ہیں اور چوتھی صدی کے مجدد ابو بکر بن باقلانی اور ابو الطیب صعلوکی وغیرہ ہیں اور

پانچویں صدی کے مجدد امام غزالی ہیں اور چھٹی صدی کے مجدد امام فخر الدین رازی ہیں اور ساتویں صدی کے مجدد تقی الدین ابن دقیق العید ہیں اور آٹھویں صدی کے مجدد زین الدین عراقی اور شمس الدین جزری اور سراج الدین بلقینی رحمہم اللہ ہیں اور نویں صدی کے مجدد جلال الدین عبدالرحمن سیوطی اور شمس الدین سخاوی رحمہم اللہ ہیں اور خلاصۃ الاثر فی اعیان قرن الحادی عشر وغیرہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دسویں صدی کے مجدد شہاب الدین رملی اور ملا علی قاری رحمہا اللہ وغیرہ ہیں۔" [مجموعۃ الفتاویٰ (مترجم)، کتاب العلم والعلماء، جلد:۱، ص:۱۱۸ مطبوعہ ایچ۔ ایم۔ سعید کمپنی ادب منزل، پاکستان کراچی]

عبد اللہ المرداد نے یوں لکھا ہے کہ:

الحاصل أنه كان فريد عصره وأوانه، ولقد أقسم المحقق العلامة ابن عابدين أنه كان مجدد زمانه

یعنی خلاصہ یہ ہے کہ وہ (امام ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ) وحید عصر اور یکتائے روزگار تھے، محقق علامہ ابن عابدین شامی نے یہ قسم کھائی ہے کہ وہ اپنے زمانے کے "مجدد" تھے۔" [عبد اللہ المرداد: مختصر نشر النور، ص:۳۶۸، مطبوعہ عالم المعرفۃ جدۃ ۱۹۸۶ء]

امام ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی کتاب میں اپنے "مجدد" ہونے کا اشارہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

وقد ثبت عنه عليه الصلاة والسلام: ''أن الله يبعث لهذه الأمة على رأس مائة سنة من يجدد لها دينها'' ورواه أبو داؤد والحاكم والبيهقي في (المعرفة) عن أبي هريرة فوالله العظيم، ورب النبي الكريم، أني لو عرفت أحدا أعلم مني بالكتاب والسنة، من جهة مناها أو من طريق معناها، لقصدت اليه ولو حبوا بالوقوف لديه، وهذا لا أقوله فخرا، بل تحدثا بنعمة الله وشكرا، واستزيد من ربي مايكون لي ذخرا۔

یعنی اللہ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے کہ: "بے شک اللہ تعالیٰ ہر صدی کے اختتام پر ایسے شخص کو مبعوث فرماتا ہے جو اس کے دین کی تجدید

کرتا ہے۔" اور اس روایت کو امام ابوداؤد، امام حاکم، اور امام بیہقی نے اپنی "المعرفۃ" میں حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رب اللہ جل جلالہ کی قسم! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ کوئی کتاب و سنت کا مجھ سے بڑا عالم ہے تو میں ضرور اس کی بارگاہ میں زانوئے ادب تہہ کرتا۔ یہ میں بطور فخر نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ تحدیث نعمت کے طور پر کہہ رہا ہوں۔ اور میں اللہ تعالیٰ سے مزید کا خواہاں ہوں جو میرے لئے ذخیرہ آخرت ہو۔" [شم العوارض فی ذم الروافض، حکم سب الصحابۃ عند الحنفیۃ، ص:۳۷،۳۸ مطبوعہ دارالکتب صدف پلازہ محلہ جنگی پشاور]

علامہ شیخ السیّد محمد امین آفندی المعروف بہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ:

سیّدی ملا علی القاری وفی کلامہ اشارۃ الی انہ مجدد عصرہ وما اجدرہ بذلك، ولاینکرعلیہ ماھنالك۔ الاکل متعصب ھالك

یعنی سیّدی ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اپنے زمانے کے "مجدد" ہیں۔ اور یہ ان کے لئے کیا ہی زیبا ہے! صرف متعصب اور تباہ آدمی ہی اس (بات) کا منکر ہو سکتا ہے۔" [مجموعۃ رسائل ابن عابدین، الرسالۃ الخامسۃ عشرۃ: تنبیہ الولاۃ والحکام علی احکام شاتم خیر الانام، جلد:۱، ص:۳۶۸ مطبوعہ مکتبہ محمودیہ سرکی روڈ کوئٹہ]

مولانا فقیر محمد جہلمی رحمہ اللہ تعالیٰ یوں رقمطراز ہیں:

"مشہورِ زمانہ ہو کر سن ہزار کے سرے پر درجہ مجددیت کو پہنچے۔"

[فقیر محمد جہلمی: حدائق الحنفیۃ، حدیقۂ یازدہم، رقم الترجمۃ: ملا علی قاری، ص:۴۲۱ مطبوعہ مکتبہ ربیعہ سلام مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی]

محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

اس عقیدے پر پوری اُمت مسلمہ کا قطعی، یقینی اجماع ہے کہ حضور نبی مکرم،

شفیع معظم، نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کا عشق ایمان ہے، ایمان کی جان ہے، جان کا چین ہے اور چین کا سامان ہے۔ سیّدی اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس عقیدے کو اپنے ایمان افروز کلام میں یوں بیان کیا ہے:

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

تمام رشتوں، ناتوں، دوستوں اور تعلقات سے بڑھ کر اگر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہیں تو ایمان نامکمل ہے۔ حضرت امام ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے اوصاف میں سب سے نمایاں وصف نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت تھا۔ ان کے اس وصف خاص کا اظہار صرف زبان و قلم ہی سے نہیں ہوتا تھا بلکہ یہ ان کے دل میں رچا ہوا اور رگ وریشہ میں سمایا ہوا تھا۔ شدتِ عشق کی کیفیت یہ تھی کہ خود لکھتے ہیں:

ثم انی بتوفیق اللہ سبحانہ التزمت فی کل وقفۃ واقعۃ فی الجمعۃ أن أحرم عن الحضرۃ الرسالۃ المحمدیۃ۔

یعنی پھر میں (یعنی ملا علی قاری) نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی توفیق سے ہر جمعہ جو مجھے مکہ مکرمہ میں نصیب ہوا حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف (سے) عمرہ کا احرام باندھا۔" [ملا علی قاری: الحظ الأوفر فی الحج الاکبر، ص:۹۴ مطبوعہ المکتبۃ المعروفیۃ کانسی روڈ کوئٹہ]

قارئین عظام! راقم الحروف کی نظر سے بے شمار محدثین، فقہا، مفسرین اور صوفیاے کرام کا تذکرہ گزرا اور وہ بھی بار بار گزرا، ان سب کی نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کی عجیب و غریب داستانیں جو انہوں نے رقم فرمائیں نظر سے گزریں مگر امام ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ سرکارِ مدینہ، سرور قلب و سینہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کے اس نرالے انداز کے ساتھ منفرد نظر آتے ہیں۔

حضور غوثِ اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے عقیدت ومحبت:

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضور سیّدنا غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی الحسنی والحسینی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شان وعظمت میں مستقل ایک کتاب بنام ''نزہۃ الخاطر الفاطر فی ترجمۃ سیّدی الشریف عبد القادر'' تحریر فرمائی۔ جو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی حضور غوث اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے بے پناہ حسن عقیدت ومحبت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ انہوں نے عقیدت و محبت کے باوجود جس خوبصورتی سے آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی سیرت نگاری کے حق کو ادا کیا ہے وہ آپ کی منصفانہ فرائض کی بجا آوری کی اعلیٰ دلیل ہے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کے شروع میں حضور غوث اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا ذکر پاک جس انداز سے فرمایا ہے اس کا ایک ایک حرف آپ کی عقیدت ومحبت کو خوب ظاہر کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

''مولانا و سیّدنا تاج المفاخر، القطب الربانی والغوث الاعظم الصمدانی، سلطان الاولیاء والعارفین، الباز الاشهب، والسیف الاشطب، والطراز المذهب السیّد الشریف شیخ الاسلام، محی الملة والدین عبد القادر الحسنی الحسینی الجیلانی قدس الله روحه وفتح علینا فتوحه''

یعنی ہمارے مولا اور ہمارے آقا تاج المفاخر... قطب ربانی، غوث اعظم صمدانی، ولیوں اور عارفوں کے سلطان، باز اشہب، لاجواب تلوار، بہترین مذہب اور نظریے کے حامل السیّد الشریف، شیخ الاسلام، دین وملت کے زندہ کرنے والے، شیخ عبد القادر الحسنی الحسینی الجیلانی اللہ تعالیٰ ان کی روح پر فتوح کو اور عظمتیں بخشے اور ہم پر ان کے فیوض و برکات کو کھول دے۔'' [ملا علی قاری: نزہۃ الخاطر الفاتر فی ترجمۃ سیّدی الشریف عبد القادر سلطان الاولیاء الاکابر، ص:۹ مطبوعہ مؤسسۃ الشرف]

تصانیف:

امام ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا شمار گیارہویں صدی کے جلیل القدر اور صدور

العلم علما میں ہوتا تھا۔ آپ عمدۃ المحققین، نبراس المدققین اور اپنے زمانے کے جید اور مشہور علما میں سے تھے۔ اور اس بات میں کوئی مبالغہ نہیں کہ آپ عظیم فقیہ، بہترین مفسر، عمدہ قاری، اور بے مثال متکلم و محدث تھے حدیث، تفسیر، فقہ، عقائد، قرأت و تجوید، فرائض، تراجم، ادب، لغت، نحو اور مواعظ و نصائح وغیرہ موضوعات پر آپ کی تصنیفات نے اصلاحِ اُمت کا عظیم فریضہ انجام دیا۔ آپ نے خاص طور پر تحقیق فقہ و حدیث اور دریافت علوم کلام و منقول پر بڑا کام کیا ان موضوعات پر آپ کی علمی کوششیں آج تک اہل علم کے لئے مشعل راہ کا کام دے رہی ہیں۔ آپ کی علمی مقبولیت کا اندازہ صرف اس بات سے ہی لگایا جا سکتا ہے کہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب لکھتے ہیں کہ:

”آپ کی تصانیف پر ۱۸۲ فقہاء و محدثین (مؤلفین و معلقین) نے خراجِ عقیدت پیش کیا اور آپ کی تشریحات کو اپنی تصانیف کی بنیاد قرار دیا۔“

[نزہۃ الخاطر الفاتر فی مناقب سیّدنا شیخ عبد القادر جیلانی، ص:۹ مطبوعہ قادری رضوی کتب خانہ لاہور]

مزید لکھتے ہیں کہ:

”آپ کی تجدیدی اور اجتہادی تشریحات نے اہل علم کو بڑا متاثر کیا۔ آپ کے اندازِ فکر نے اپنے معاصرین اور بعد میں آنے والے علما کے ایک طبقہ کو تشریح حدیث اور تفہیم قرآن پر کام کرنے کا ایک نیا انداز بخشا اس صدی کے اکثر مشاہیر کی تصانیف کا بغور مطالعہ کیا جائے۔ تو ہم تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ عالم اسلام کے مختلف حصوں میں علمائے کرام کی علمی کاوشوں کا رُخ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے اندازِ فکر سے ہم آہنگ ہے۔ پاک و ہند میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی (جو کہ آپ کے ہم سبق اور شاگرد بھی تھے) حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی، مصر میں علامہ خفاجی (احمد شہاب الدین بن محمد حجر خفاجی المتوفی ۱۰۶۹ھ) مولانا زین العابدین بن ابراہیم بن نجیب مصری (المتوفی ۱۰۷۵ھ مصنف اشباہ والنظائر) علامہ شیخ شہاب الدین شعبی اور شام میں محمد بن علی حصکفی (مصنف در المختار المتوفی ۱۰۸۸ھ) ابراہیم بن عبد الرحمن دمشقی (المتوفی ۱۰۹۵ھ) اور مکہ میں شیخ علی

بن جار اللہ قرشی مکی (المتوفی ۱۰۹۶ھ) جیسے مشاہیر کی تصانیف ملا علی قاری کی تشریحات سے متاثر دکھائی دیتی ہیں۔" [ایضاً، ص:۱۵]

تصانیف ملا علی قاری کی مقبولیت و شہرت کا اندازہ اس بات سے بھی بخوبی لگایا جا سکتا ہے وہ دو دنیا کے تقریباً تمام کتب خانوں میں موجود و نظر آتی ہیں۔ اس کے علاوہ شاید ہی کوئی لائبریری ہو گی جس میں آپ کی کوئی نہ کوئی کتاب موجود نہ ہو۔ الحمد للہ راقم الحروف کی لائبریری میں آپ کی تقریباً پچاسی (۸۵) کتب ورسائل موجود ہیں۔

محمد امین بن فضل اللہ بن محب الدین بن محمد المحبی الحموی الدمشقی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۱۱۱ھ) آپ کی تصانیف کی افادیت واہمیت کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

واشتھر ذکرہ، وطار صیتہ، وألف التالیف الکثیرۃ، اللطیفۃ التأدیۃ المحتویۃ علی الفوائد الجلیلۃ۔

یعنی اور وہ (امام ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ) زمانے میں شہرت یافتہ ہیں۔ انہوں نے بہت ساری کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جو نہایت عمدہ، نفع بخش اور عظیم فوائد پر مشتمل ہیں۔"

[المحبی: خلاصۃ الاثر فی أعیان القرن الحادی عشر، جلد:۳، ص:۱۸۵ مطبوعہ دار صادر بیروت، لبنان]

تصنیفات کی تعداد:

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر، حدیث، شروح حدیث، فقہ، قرأت و تجوید، تاریخ، تراجم اور فضائل جیسے موضوعات پر کئی کتب تصنیف و تالیف فرمائی تھیں آپ کی تصنیفات و تالیفات کی تعداد میں متعدد اقوال آپ کے تذکرہ نگاروں نے سپرد قلم کئے ہیں۔ ملاحظہ ہوں: بعض علما کہتے ہیں کہ:

سمع من حفید الامام القاری فی مکۃ المکرمۃ أنہ قال: ان لجدنا ثلاثمائۃ مؤلف وانہ وقفھا لأولادہ وشرط أن لایمنع من الاستنساخ

یعنی امام ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے پوتے سے مکہ مکرمہ میں سنا گیا وہ کہتے تھے

کہ ”ہمارے دادا کی تین سو تصنیفات ہیں، اور انہوں نے اپنے بیٹوں کے لئے اپنی کتب کو وقف فرمادیا تھا اس شرط کے ساتھ کہ ان کی کتب کے استفادے سے منع نہ کیا جائے گا۔“

[مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ترجمۃ الامام ملا علی القاری، موٗلفاتہ، جلد:۱، ص:۲۳ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ]

مرقاۃ المفاتیح کے شروع میں جس تذکرہ نگار نے ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالات قلمبند کئے ہیں، وہ اپنی تحقیق یوں بیان کرتے ہیں:

فوقفت علی فھرسۃ لمؤلفات الامام القاری ما یرید علی مائتین وستین کتاباً

یعنی پس میں امام ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیفات کی فہرست پر واقف ہوا ہوں،...جو ۲۶۰ سے زیادہ کتابیں ہیں۔“[ایضاً]

ڈاکٹر خلیل احمد قوتلائی نے اپنی کتاب ”الامام علی القاری وأثرہ فی علم الحدیث“ میں آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیفات کی تعداد ۱۴۸ بیان کی ہے۔

تلامذہ:

حضرت امام ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی علم و فن سے خصوصی محبت ہی تھی کہ آپ کی شہرت کا نقارہ بلادِ اسلامیہ کے طول و عرض میں بجنے لگا اور طالبانِ علم جوق در جوق آپ کی مجالس علم میں حاضر ہونے لگے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتب و تالیفات، وعظ و ارشاد سے جہاں کثیر عام و خاص مستفیض ہوئے وہیں ایک خلق کثیر نے آپ کے بحرِ علم سے تشنگی بجھائی۔ چنانچہ مکہ مکرمہ میں آپ کے خوانِ علم سے بے شمار تلامذہ نے خوشہ چینی کی اور اپنے علاقوں میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔ لیکن حیرت ہے کہ آپ کے وقت میں کثیر علما و اجلا کی موجودگی کے باوجود اہل تراجم نے آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کا ذکر انتہائی مختصر انداز میں کیا ہے۔ بلکہ آپ کے تلامذہ کے اسماء لکھنے میں بھی اختصار سے کام لیا ہے۔ اور آپ کے محض چند بڑے تلامذہ کے ذکر پر ہی اکتفا کیا ہے۔

وصالِ باکمال:

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال شوال ۱۰۱۴ھ میں مکہ مکرمہ میں ہوا جیسا کہ مشہور مؤرخ محمد امین بن فضل اللہ الحموی الدمشقی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۱۱۱ھ) نے لکھا ہے:

وکانت وفاتہ بمکۃ فی شوال أربع عشرۃ وألف، ودفن بالمعلات

یعنی اور آپ کا انتقال مکہ مکرمہ میں شوال ۱۰۱۴ھ میں ہوا اور جنت المعلاۃ میں تدفین عمل میں آئی۔"

[خلاصۃ الاثر فی اعیان الحادی عشر، جلد:۳، ص:۱۸۵ مطبوعہ دار صادر بیروت، لبنان]

آپ کے ایک تذکرہ نگار نے آپ کی قبر مبارک کا محل وقوع یوں بیان کیا ہے:

''بالشعب الأول علی یسار الذاھب الذی یخرج منہ الی الحجون وبھذہ الحوطۃ الشیخ العلامۃ ملاعلی بن سلطان محمد الھروی

یعنی شعب اوّل سے نکل کر حجون کی جانب جاتے ہوئے راستے کی بائیں جانب واقع احاطہ میں شیخ، علامہ ملا علی بن سلطان محمد ہروی رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبر ہے۔"

[مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ترجمۃ الامام ملا علی القاری، وفاتہ، ص:۲۷، ۲۸ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ]

ابو الحسنات عبد الحیٔ لکھنوی (المتوفی ۱۳۰۴ھ) نے "السعایۃ" کے مقدمے میں کہا ہے کہ:

"میں نے جنت المعلیٰ میں ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبر کی زیارت کی ہے۔"

(السعایۃ فی کشف مافی شرح الوقایۃ، مقدمۃ، جلد:۱، ص:۳۹ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

مولیٰ تبارک وتعالیٰ امام ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ اور ہمیں ان کے فیوض وبرکات سے مستفیض فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الرؤوف الرحیم علیہ الصلاۃ والتسلیم۔

خادم مسلک اہلسنت محمد افضال حسین نقشبندی مجددی

مدرس جامعہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ سانگلہ ہل ضلع ننکانہ صاحب پنجاب

فضائل عمامہ اور شملہ احادیث وآثار کی روشنی میں

مصنف

ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری

ترجمہ، تخریج، تحشیہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے رب کریم میرے علم میں اضافہ فرما!

تمام تعریفیں اللہ کیلئے جس نے خاص وعام ہر طرح کی مخلوق پیدا فرمائی، اور انہیں حجتِ تامہ کے ساتھ سیدھے راستے کی طرف ہدایت دی، اور درود وسلام ہو اس مبارک ہستی پر جنہیں بادل سایہ کرتے تھے، اور جن کی مدد و نصرت کیلئے عمامہ پہنے اور نشان والے فرشتے اترتے تھے، اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آل اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عزت و کرامت والے اصحاب پر۔

امابعد! اللہ پاک کی بخشش کا طلب گار علی بن سلطان محمد قاری، اللہ پاک اس کے گناہ بخشے اور اس کے عیوب چھپائے، عرض کرتا ہے کہ یہ رسالہ "عمامہ" اور "شملہ" کی مقدار و کیفیت پر مشتمل ہے۔

تو پہلے یہ جان لیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال مرتبہ کا اظہار کرتے ہوئے یوں فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ(۱)

یعنی اللہ تعالیٰ سے بندے کی سچی محبت کے لیے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع شرط ہے نیز اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے محبت کے لیے آپ کی اتباع سبب ہے۔ اور فرمایا:

لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة، لمن كان يرجوا الله واليوم الآخر(۲)

پھر جان لیجئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال جو اختیاری اور اقتداء کے لائق ہیں چار ہیں! (۱) مباح (۲) مستحب (۳) واجب (۴) فرض۔

---

(۱) اے محبوب! تم فرمادو کہ: لوگو! اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرماں بردار ہو جاؤ، اللہ تمہیں دوست رکھے گا" [کنز الایمان: پارہ، ۳۔ سورہ، آل عمران۔ آیت ۳۱]

(۲) "بے شک تمہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی بہتر ہے اس کے لیے کہ جو اللہ اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہو" [کنز الایمان: پارہ، ۲۱۔ سورہ، احزاب۔ آیت ۲۱]

اور ہمارے مذہب حنفی میں صحیح یہی ہے جس کی ہمارے علماے اصولیین نے صراحت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جن افعال کا ہم کو پتہ ہے وہ جس طرح واقع ہوئے ہیں ہم اسی انداز میں ان افعال کی اقتدا کریں گے جب تک کہ کوئی دلیل خاص اس کے متضاد نہ پائی جائے ،اور رہے وہ افعال جنہیں ہم نہیں جانتے کہ مذکورہ چاروں طریقوں میں سے کس طریقہ پر ہیں تو ان افعال پر عمل کا ادنیٰ درجہ اباحت (جواز) ہی ہے۔

اس مقام پر حاصل مقصد یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فعل اگر پہچان لیا جائے کہ وہ عدم التفات سے متصف ہے، جیسے نماز عصر میں دو رکعت پر ہی سلام پھیر دینا، یا طبعی ہے جیسے کھانا، پینا اور قیام وغیرہ، یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی مخصوص ہے جیسے نماز تہجد اور نماز چاشت کا وجوب، اور چار سے زائد نکاح اور اس کے علاوہ خصوصیات، (کہ یہ تمام امور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہیں) تو ہم پر ان کی اتباع لازم نہیں۔

اور اگر ان کے علاوہ ہوں تو اس سلسلہ میں یہ کہا گیا ہے کہ اس میں توقف ضروری ہے جب تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کا حکم اباحت، ندب یا وجوب معلوم نہ ہو جائے ، کیونکہ متابعت ''صفتِ فعل'' کی معرفت سے قبل ثابت نہیں ہو سکتی، نیز اس سلسلہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کی اتباع اس وقت تک واجب ہے جب تک اس کی ممانعت کی کوئی دلیل قائم نہ ہو جائے، جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ:

اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ **(۱)**

اور معتمد فیصلہ یہ ہے کہ جب تک وجوب یا ندب کی دلیل قائم نہ ہو جائے اس میں اباحت کا اعتقاد رکھا جائے گا، اباحت پر یقین ہو جانے کی وجہ سے، اور اللہ زیادہ جانتا ہے۔ **(۲)**

---

(۱) ''حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا'' [کنز الایمان: پارہ، ۴۔ سورہ، نساء۔ آیت ۵۹]

(۲) مزید تفصیل کے لیے اصول سرخسی اور الفصول فی الاصول للجصاص، دیکھیں۔

پھر جان لیجئے! کہ احادیث وآثار سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامہ پوشی فرمائی ہے، قریب ہے کہ وہ احادیث وآثار متواتر المعنی ہوں۔اور یوں ہی عمامہ پوشی کی رغبت پر بھی بہت سی حدیثیں ہیں اگرچہ ان کی سندیں ضعیف ہیں البتہ ان کے مجموعے سے جو قوت حاصل ہوتی ہے اس سے وہ حدیثیں حسن بلکہ صحیح کے درجہ تک ترقی پاجاتی ہیں، جن سے عمامہ کے مستحب ہونے کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

(۱)۔ انہی میں سے ایک یہ ہے کہ:

”عمامہ باندھو! تمہاری بردباری بڑھے گی“۔

اس حدیث کو طبرانی اور حاکم نے ”حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما“ سے مرفوعاً روایت کیا۔**(۱)**

(۲)۔ انہی میں سے ایک یہ ہے کہ:

”عمامہ باندھو! اگلی امتوں (یعنی یہود ونصاریٰ) کی مخالفت کرو کہ وہ عمامہ نہیں باندھتے“۔

اس حدیث کو بیہقی نے ”خالد بن معدان“ سے مرسلاً روایت کیا۔**(۲)**

(۳)۔ اور انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ:

”عمامہ باندھو! تمہاری بردباری بڑھے گی اور عمامے عرب کے تاج ہیں“۔

اس کو ابن عدی اور بیہقی نے ”اسامہ بن عمیر“ سے روایت کیا۔**(۳)**

(۴)۔ اور انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ:

---

(۱) [المعجم الکبیر للطبرانی:۱/۱۹۴، حدیث نمبر۔۵۱۷، مجمع الزوائد ۵/۱۱۹، المستدرک للحاکم کتاب اللباس، حدیث نمبر۔۷۴۱۱]

(۲) [شعب الایمان: ج۸/ص:۲۹۵ حدیث نمبر-۵۸۵۰]

(۳) [مرجع سابق: ص:۲۹۴ حدیث نمبر-۵۸۴۹]

"یقیناً اللہ پاک نے اس امت کو عماموں اور جھنڈوں سے مکرم فرمایا"۔**(۱)**

اس کو ابن وضاح نے "خالد بن معدان" سے مرسلاً روایت کیا۔

(۵)۔ انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ:

"میری امت جب تک ٹوپیوں پر عمامے باندھتی رہے گی فطرت پر رہے گی"۔

اس کو دیلمی نے "حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ" سے روایت کیا۔**(۲)**

(۶)۔ انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ:

"ٹوپیوں پر عمامے ہمارے اور مشرکین کے درمیان خطِ امتیاز ہیں"۔

اس کو ابوداؤد اور ترمذی نے "حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ" سے روایت کیا۔**(۳)**

(۷)۔ انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ:

"ٹوپی پر عمامہ ہمارے اور مشرکین کے درمیان خط امتیاز ہے، اس کے ہر پیچ کے بدلے مسلمان کو قیامت کے دن ایک نور عطا کیا جائے گا"۔

اس کو باوردی نے "حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ" سے روایت کیا۔**(۴)**

(۸)۔ نیز ایک اور روایت میں ہے کہ:

"جس شخص نے عمامہ باندھا اس کے لیے ہر پیچ پر ایک نیکی ہے اور جب پیچ کھولے گا تو اس کے لیے ہر پیچ کھولنے پر ایک گناہ زائل ہو گا"۔**(۵)**

---

(۱) [سنن سعید بن منصور: ج۲ ص۲۴۶۔ حدیث نمبر۔۲۵۲۸]

(۲) [الفردوس بماثور الخطاب للدیلمی: ج۵ ص۹۳۔ حدیث نمبر۔۷۵۶۹]

(۳) [سنن ابی داؤد ۲/۵۶۳ حدیث نمبر۔۴۰۷۰۔ سنن ترمذی ۱/۳۱۸۔ حدیث نمبر۔۱۷۸۴]

(۴) [کنز العمال: ۳۰۵/۱۵۔ حدیث نمبر۔۴۱۱۳۴۔

جامع الاحادیث للسیوطی: ج۱۴ ص۳۶۸۔ حدیث نمبر۔۱۴۵۱۳]

(۵) [کنز العمال: ۳۰۸/۱۵۔ حدیث نمبر۔۴۱۱۴۶]

اگر اس حدیث کا ضعف شدید نہ ہو تا تو بڑے عمامے پہننے پر حجت ہوتی۔

(۹)۔ انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ:

”عمامہ کے ساتھ دو رکعتیں بغیر عمامہ کی ستر رکعات سے بہتر ہیں“۔

اس کو ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ“ سے دیلمی نے مسند الفردوس میں روایت کیا۔**(۱)**

(۱۰)۔ انہی میں سے ایک یوں ہے کہ:

”ایک نماز نفل ہو یا فرض عمامہ کے ساتھ بے عمامہ کی پچیس نمازوں کے برابر ہے اور ایک جمعہ عمامہ کے ساتھ ستر جمعہ بے عمامہ کے برابر ہے“۔

اس کو ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما“ سے ابن عساکر نے روایت کیا۔**(۲)**

(۱۱)۔ اور انہی میں سے ایک یوں ہے کہ:

”جمعہ کے دن عمامہ پہننے والوں کے لیے فرشتے اللہ کی بارگاہ میں مغفرت کی دعاء کرتے ہیں“۔اسی مضمون کو بعض صحابہ کرام علیہم الرضوان نے روایت کیا۔**(۳)**

(۱۲)۔ اور انہی میں سے ایک یوں بھی ہے کہ:

---

(۱)[المسند الفردوس للدیلمی ۲/۲۶۵۔ حدیث نمبر۔۳۲۳۳]

(۲)[الجامع الصغیر للسیوطی ۱/۳۱۴۔ کنز العمال:۱۵/۳۰۶۔ حدیث نمبر۔۴۱۱۳۹]

(۳) یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ ہمیں نظر نہیں آئی۔ البتہ تاریخ بغداد میں خطیب بغدادی نے اس کو درج ذیل الفاظ سے روایت کیا ہے۔

إن للہ ملائکۃ موکلین بأبواب الجوامع یوم الجمعۃ، یستغفرون لأصحاب العمائم البیض

یعنی اللہ کے فرشتے جمعہ کے دن جامع مسجد کے دروازوں پر حاضر ہو کر سفید عمامہ پہننے والوں کے دعاے مغفرت کرتے ہیں۔

[تاریخ بغداد لخطیب البغدادی:ج۱۶ص۳۰۱۔ حدیث نمبر۔۴۷۰۱]

”بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے جمعہ کے روز عمامہ باندھنے والوں پر درود بھیجتے ہیں“

اسی مضمون کو بعض صحابہ کرام علیہم الرضوان نے روایت کیا۔**(۱)**

(۱۳)۔ انہی میں سے ایک یوں ہے کہ:

”عمامے مومن کا وقار اور اہل عرب کی عزت ہیں چنانچہ جب اہل عرب نے عمامے اُتار ڈالے تو گویا اپنی عزت اتار ڈالی“۔

اس کو دیلمی نے ”حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ“ سے روایت کیا۔**(۲)**

(۱۴)۔ انہی میں سے ایک یوں بھی ہے کہ:

”عمامے عرب کا تاج ہیں تو جب انہوں نے اسے اتار ڈالا تو گویا اپنی عزت اتار ڈالی“۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مسند الفردوس میں دیلمی نے روایت کیا۔**(۳)**

---

(۱) [کنز العمال: ج ۷ ص ۳۵۷۔ حدیث نمبر۔ ۲۱۱۶۶۔ مسند الشامین للطبرانی: ج ۴ ص ۳۳۶۔ حدیث نمبر۔ ۳۴۸۷]

(۲) [کنز العمال: ج ۱۵ ص ۳۰۸۔ حدیث نمبر۔ ۴۱۱۴۷۔
مسند الفردوس للدیلمی: ج ۳ ص ۸۸۔ حدیث نمبر۔ ۴۲۴۷۔
دیلمی نے اپنی مسند میں اس روایت کو حضرت عمران بن حصین کے بجائے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے۔

(۳) مسند الفردوس میں حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایسی کوئی حدیث نہیں ہے۔ ہاں اس روایت کے ابتدائی الفاظ ''العمائم تیجان العرب'' مسند الفردوس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہیں۔ البتہ یہ پوری روایت حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے کنز العمال [ج ۱۵ ص ۳۰۵۔ حدیث ۴۱۱۳۳] جامع صغیر للسیوطی [ج ۱ ص ۷ ۸۳۲] میں ہے۔

(۱۵)۔ اور انہی میں سے ایک یوں بھی ہے کہ:

”عمامے عرب کے تاج ہیں، کپڑے میں لپٹے رہنا ان کی دیوار ہے، اور ان کا مسجد میں بیٹھنا قلعہ میں رہنا ہے“۔

قضاعی اور دیلمی نے ”حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ“ سے اس کو روایت کیا۔**(۱)**

(۱۶)۔ اور انہی میں سے ایک یوں بھی ہے کہ:

”عمامے مسلمانوں کے تاج ہیں“۔

ابن عدی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کو روایت کیا۔**(۲)**

(۱۷)۔ اور انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ:

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمامے کے نیچے ٹوپی پہنتے، بلکہ کبھی بغیر عمامہ کے صرف ٹوپی، اور کبھی کبھار بغیر ٹوپی کے صرف عمامہ پہنا کرتے، نیز یمنی سفید سلی ہوئی ٹوپیاں پہنتے اور جنگ میں کانوں والی ٹوپی ہی پہنا کرتے، نیز کبھی اپنی ٹوپی کو ہی نماز میں سترہ بنالیا کرتے“۔**(۳)**

(۱۸)۔ اور رہی یہ حدیث کہ:

”یہود کی مخالفت کرو، پس شملہ نہ لٹکاؤ کیوں کہ عمامہ کا شملہ اہل کتاب کی علامت ہے“۔

اور ایک حدیث یوں ہے کہ:

”میں شملہ والے عمامہ سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں“۔

چنانچہ ان دونوں حدیثوں کے بارے میں حافظ سیوطی نے کہا کہ:

---

(۱) مسند الفردوس للدیلمی: ج۳ ص۸۷۔ حدیث نمبر۔ ۴۲۴۶۔ مسند الشہاب للقضاعی: ج۱ ص۷۵۔ حدیث نمبر۔ ۶۸]

(۲) [الکامل فی ضعفاء الرجال: ج۸ ص۱۶۴۔ کنز العمال: ج۱۵ ص۳۰۷۔ حدیث نمبر۔ ۴۱۱۴۳]

(۳) [کنز العمال: ج۱۷ ص۱۲۱۔ حدیث نمبر۔ ۱۸۲۸۶]

"ان دونوں حدیثوں کی کوئی اصل نہیں"(۱) کلام مکمل ہوا۔
حفاظ کی ایک جماعت نے کہا کہ:
"عمامہ کی لمبائی چوڑائی کے سلسلے میں کچھ بھی متحقق نہیں ہے"، یہی وجہ ہے کہ جب حافظ عبد الغنی سے سوال کیا گیا تو (فرمایا) کہ: "اس بارے میں کچھ بھی ثابت نہیں" نیز فرمایا کہ:
"متاخرین حفاظ میں سے کسی نے یوں فرمایا کہ:
"میں نے اس شخص کو دیکھا جس نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف اس بات کو منسوب کیا کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں سفید عمامہ پہنتے تھے اور حضر میں اُونی کالا عمامہ پہنتے تھے۔ نیز وہ عمامہ سات ذراع لمبا اور ایک ذراع چوڑا تھا۔ اور سفر میں عمامہ کا شملہ اس کے علاوہ ہوتا تھا اور حضر میں اسی کا ہوتا تھا"
اور اس بارے میں ہمیں کچھ بھی معلوم نہیں"(۲) کلام مکمل ہوا۔
چنانچہ ظاہر ہو گیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس منقول تفصیل کی کوئی اصل نہیں ہے، اگرچہ صاحب مدخل نے اسی کی تقلید کی ہے۔(۳)
سفر میں عمامہ کے سفید اور حضر میں کالا ہونے کی تخصیص وضع کے خلاف ہے (کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بر خلاف بھی ثابت ہے۔ یعنی سفر میں کالا اور حضر میں سفید عمامہ) اور طبیعت کے اقتضا کے بھی خلاف ہے (اس لیے کہ طبیعت کا تقاضا یہ ہے کہ سفر میں عمامہ کالا پہنا جائے سفید عمامہ جلدی گرد آلود ہو سکتا ہے)
نیز یہ تخصیص مشہور مشروع کے بھی خلاف ہے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا کہ:
"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں فتح کے سال داخل ہوئے تو کالا عمامہ پہنے ہوئے تھے"(۴)

---

(۱) الحاوی للفتاوی للسیوطی: ج۱ص۳۵۸،۳۵۹]
(۲) [فتاوی حدیثیہ لابن حجر: ج۱ص۳۔ مسئلہ نمبر:۴]
(۳) [المدخل لابن الحاج: ج۱ص۱۴۰۔ فصل فی اللباس]
(۴) [صحیح مسلم: ج۲ص۹۹۰۔ حدیث نمبر۔۱۳۵۸]

بعض نے کہا کہ "عمامہ کالا ہی تھا" نیز بعض نے یوں کہا کہ اس سے مراد "مغفر" کا کالا ہونا ہے، کیوں کہ عمامہ اس کے اوپر ہوتا ہے، ایک روایت کے مطابق۔ جب کہ دوسری روایت کے مطابق گرد وغبار سے کالا ہو گیا تھا، یا پھر بالوں پر تیل اور چکنائی کی وجہ سے عمامہ کالا ہو گیا تھا۔**(۱)**

اور ہمارے علما میں سے زیلعی کی شرح کنز میں ہے کہ: "کالا پہننا سنت ہے"۔ کیوں کہ اس بارے میں حدیث وارد ہے۔**(۲)**

اوران کے علاوہ دیگر علمانے اس حدیث سے کالا کپڑا پہننے کے جواز پر استدلال کیا ہے، اگرچہ سفید لباس ہی افضل ہے، کیوں کہ یہ حدیثِ صحیح ("تمہارے کپڑوں میں سفید بہتر ہے") سے ثابت ہے۔**(۳)**

اور یہ بھی فرمایا کہ:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کالا عمامہ بیان جواز کے لیے پہنا تھا" جیسا کہ نووی نے "شرح مسلم" میں ذکر کیا۔**(۴)**

بلکہ "روضہ" میں تو یہ مذکور ہے کہ:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کالا عمامہ فتح مکہ کے دن کے سوا کبھی نہیں پہنا"۔**(۵)**

---

(۱) [روضۃ الاحباب فی سیر النبی والاصحاب: ج۱ص۵۷۴۔ فصل ششم در بیان عادات سید السادات۔ مطبع انوار محمدی لکھنؤ]

(۲) [تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق للزیلعی: ج۶ص۲۲۸۔ باب مسائل شتی]

(۳) [مسند الشہاب للقضاعی: ج۲ص۲۳۲۔ حدیث نمبر۔۱۲۵۴۔ مسند ابی یعلیٰ: ج۵ص۱۱۳۔ حدیث نمبر۔۲۷۲۷] نیز سنن ابن ماجہ [ج۱ص۱۷۴۔ حدیث نمبر۔۱۴۷۲] کی روایت میں لفظ بیض کی جگہ "بیاض" ہے۔

(۴) [شرح النووی علی مسلم: ج۹ص۱۳۳۔ باب جواز دخول مکۃ بغیر إحرام]

(۵) کتاب "روضہ" راقم کو دستیاب نہیں ہوئی۔

اور رہی عمامہ کی لمبائی اور چوڑائی تو اس کا پتہ احادیث و سیر میں کہیں نہیں، اسی کی صراحت محدث سید جمال الدین **(۱)** نے اپنی کتاب "روضۃ الاحباب" میں کی ہے۔ **(۲)**

البتہ بعض علمائے احناف نے ذکر کیا ہے کہ:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو عمامہ ہمیشہ پہنا کرتے تھے اس کی لمبائی سات (۷) ذراع اور جو جمعہ اور عید میں پہنتے تھے اس کی لمبائی بارہ (۱۲) ذراع تھی" اِس کی تائید اُس تصریح سے بھی ہوتی ہے جو جزری نے "تصحیح المصابیح" **(۳)** میں ذکر کی۔

"میں نے کتابوں میں تلاش کیا، سیر و تواریخ میں ڈھونڈا تا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ کی مقدار پر واقف ہو جاؤں مگر میں کامیاب نہ ہو سکا یہاں تک کہ مجھے میرے ایک معتمد علیہ نے خبر دی کہ: وہ شیخ محی الدین نووی کے کسی ایسے کلام پر واقف ہوا ہے جس میں انہوں نے یہ فرمایا کہ:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عمامہ چھوٹا تھا اور ایک بڑا، چھوٹا سات (۷) ذراع اور بڑا بارہ (۱۲) ذراع کا تھا، اور اللہ خوب جانتا ہے"۔ کلام مکمل ہوا۔

اس سے پتہ چلا کہ عمامہ کی لمبائی اور چوڑائی کے سلسلے میں ایسا کچھ بھی وارد نہیں

---

(۱) محدث عطاء اللہ بن فضل اللہ الملقب بہ جمال الدین حسینی شیرازی۔ ۹۳۰ھ میں وفات پائی۔ "روضۃ الاحباب فی سیر النبی والاصحاب" آپ کی بہت ہی مستند و معروف کتاب ہے۔ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی آپ کی کتاب کے بارے میں فرماتے ہیں:

بالفعل اگر کوئی نسخہ صحیحہ روضۃ الاحباب میر جمال الدین محدث حسینی کا جو تحریف والحاق سے خالی ہو دستیاب ہو جائے تو تمام تصانیف سے بہتر ہے جو سیر میں تصنیف ہوئی ہیں۔" [عجالہ نافعہ دراصول حدیث، بزبان فارسی: ص۱۵]

(۲) روضۃ الاحباب فی سیر النبی والاصحاب: ج۱ ص۴۷۵۔ فصل ششم در بیان عادات سید السادات۔ مطبع انوار محمدی لکھنؤ]

(۳) راقم کو کتاب دستیاب نہیں ہوئی۔

ہو اجس پر اعتماد کیا جاسکے،لہذا انسان کو اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے عمامے کی لمبائی اپنے علاقے کے رہنے والوں کی عادت کے مطابق ہی رکھے۔(۱)

اور اجمالی طور پر یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ اس قدر بڑا نہیں ہوتا تھا جس کا اٹھانا تکلیف ، بوجھ بڑھنے اور آفتوں کا سبب بنے،جیسا کہ ہمارے اصحاب کی حالت کا مشاہدہ ہے۔اور نہ ہی اس قدر چھوٹا ہوتا کہ گرمی اور سردی سے سر کی حفاظت میں ہی کم پڑ جائے۔بلکہ ان دونوں سے درمیانی مقدار میں ہوتا تھا۔پھر عمامہ پہننے کے جو فضائل وارد ہوئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ماخوذ ہیں کہ:

خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ(۲)

(۱۹)۔ اور وہ جو وارد ہوا ہے کہ:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھار محض ٹوپی پر ہی اکتفاء فرمایا کرتے تھے"۔**(۳)**

مناسب ہے کہ اسے یا تو گرمی وغیرہ کی ضرورت پر محمول کیا جائے یا پھر اپنے گھر میں آرام

---

(۱) امام اہل سنت اعلیٰ حضرت محدث بریلوی فرماتے ہیں:

عمامہ اقدس کے طول میں کچھ ثابت نہیں۔امام ابن الحاج مکی سات ہاتھ یا اس کے قریب کہتا ہے۔اور حفظ فقیر میں کلمات علما سے ہے کہ کم از کم پانچ ہاتھ ہو اور زیادہ سے زیادہ بارہ ہاتھ۔اور شیخ عبدالحق کے رسالہ لباس میں اکتیس ہاتھ تک لکھا ہے۔اور ہے یہ کہ یہ امر عادت پر ہے جہاں علماء وعوام کی جیسی عادت ہو اور اس میں کوئی محذور شرعی نہ ہو اس قدر اختیار کریں۔فقد نص العلماء ان الخروج عن العادۃ شھرۃ ومکروہ۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

اہل علم نے تصریح کی ہے کہ معاشرے کی عادت سے باہر ہونا باعث شہرت اور مکروہ ہے۔"[فتاوی رضویہ جدید:ج۲۲ص۱۷۱]

(۲) "اپنی زینت لو جب مسجد میں جاؤ"

[کنز الایمان:پارہ،۸۔سورہ،اعراف۔آیت۳۱]

(۳) [کنز العمال:ج۷ص۱۲۱۔روایت نمبر:۱۸۲۸۶]

کے وقت پر، یا اپنے اصحاب کے درمیان تشریف فرما ہونے پر، یا پھر حکم جواز کے بیان پر، یا حالت نماز کے علاوہ پر، یا پھر نفل نماز میں پہننے پر ہی محمول کیا جائے، اور یہ اعتبار امام غزالی کے اس کلام سے بھی اخذ شدہ ہے کہ: ''گرمی کے سبب نماز سے قبل عمامہ اتار دینے میں کوئی حرج نہیں''۔**(۱)**

اور رہا وہ عمل جو ہمارے زمانہ کے فقہانے اختیار کر رکھا ہے کہ وہ لوگ مسجد میں بڑے عمامے کے ساتھ آتے ہیں پھر اسے اتار کر چھوٹا سا کپڑا لپیٹ لیتے ہیں اور عمامہ کے بغیر ہی نماز ادا کرتے ہیں، تو یہ انتہائی مکروہ ہے۔ اور کاش کہ وہ لوگ اپنے شانوں پر پڑے رومالوں کو ہی بطور عمامہ باندھ لیتے۔ کیوں کہ ظاہر یہی ہے کہ اس سے لغوی تقاضے اور ظاہرِ شریعت کے مطابق اصل عمامہ پوشی کا ثواب حاصل ہو جائے گا اگرچہ اس کا عرفِ عام میں وہ اعتبار نہیں۔

بعد ازاں میں نے ''شرح شرعۃ الاسلام'' میں نماز جمعہ کے باب میں ''امام زادہ'' کا کلام دیکھا کہ ''جمعہ کے دن عمامہ مستحب ہے''۔**(۲)**

(۲۰)۔ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے جمعہ کے دن عمامہ باندھنے والوں پر درود بھیجتے ہیں''۔**(۳)**

(۲۱)۔ نیز ایک حدیث میں یوں ہے کہ:

''عمامہ کے ساتھ جمعہ بغیر عمامہ ستر نمازوں سے بہتر ہے''۔**(۴)**

---

(۱) احیاء علوم الدین، لامام الغزالی: ج ۱ ص ۱۸۱۔ بیان آداب الجمعہ]

(۲) [مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام: ص ۱۶۲۔ فصل فی سنن الجمعہ]

(۳) [کنز العمال: ج ۷ ص ۳۵۷۔ حدیث نمبر۔ ۲۱۱۶۶۔
مجمع الزوائد: ج ۲ ص ۱۷۶۔ حدیث نمبر۔ ۳۰۷۵]

(۴) [المقاصد الحسنہ: ج ۱ ص ۴۶۶۔ کشف الخفا: ج ۲ ص ۸۵]

البتہ اگر اسے گرمی ستائے تو نماز سے قبل اور نماز کے بعد عمامہ اتارنے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن گھر سے جمعہ کے لیے نکلتے وقت نہ اتارے اور نہ ہی نماز کے وقت اور نہ ہی امام کے منبر پر چڑھتے وقت اور نہ ہی خطبہ کی حالت میں۔**(۱)**

(۲۲)۔اور ترمذی نے حضرت ابو کبشہ انماری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا، وہ فرماتے ہیں کہ:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ٹوپیاں پورے سر کو ڈھکنے والی اور چپکی ہوئی ہوتی تھیں''۔**(۲)**

اور ایک روایت میں لفظ ''اکمۃ'' آیا ہے اور یہ دونوں (یعنی 'کمام' اور 'اکمۃ') ''کمۃ'' کی جمع کثرت اور جمع قلت ہیں اور ''کمۃ'' سے مراد سر سے چپکی ہوئی ٹوپی ہے نہ کہ کھڑی۔**(۳)**

(۲۳)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سفید چپکی ہوئی ٹوپی تھی''۔

اس کو دار قطنی نے روایت کیا۔**(۴)**

اور بعض لوگوں نے وہم کیا کہ 'کمام'، 'کُم بالضم' کی جمع ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اور وہ جو بعض مشائخِ ''یمن'' نے لمبی ٹوپی کو پسند کیا ہے اور اسی پر اکثر اکتفا کرتے ہیں تو ان کا یہ عمل سنتِ دائمہ اور طریقہ مستمرہ کے خلاف ہے۔ اور ان میں سے بعض کا کعبہ کے کپڑے کا عمامہ بنانا زیادہ قبیح ہے، کیوں کہ اس کی ملکیت کی صحت میں اختلاف ہے، علاوہ ازیں وہ ریشم کا ہوتا ہے اسی وجہ سے بحکم اجماع اس کا استعمال حرام ہے۔

---

(۱) [مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام: ص ۱۶۲۔ فصل فی سنن الجمعہ]

(۲) [سنن ترمذی: ج۳ص۲۹۹۔ حدیث نمبر۔ ۱۷۸۲]

(۳) لسان العرب للرویفعی: ج ۱۲ص ۵۲۷۔ المواہب اللدنیہ: ج ۲ص ۱۹۱۔

(۴) دار قطنی میں روایت نہیں ملی، البتہ المعجم الاوسط للطبرانی: ج۶ص ۲۰۰۔ حدیث نمبر۔ ۶۱۸۳۔ میں ہے۔

وہ روایات جو شکل وصورت کے اچھار کھنے نیز بدن اور لباس کو آراستہ کرنے کے سلسلے میں وارد ہوئیں!

(۲۴)۔ مروی ہے کہ:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے اصحاب کے پاس جانے کا ارادہ فرمایا، تو پانی میں دیکھ کر اپنا عمامہ اور بال درست فرمائے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ بھی یہ کر رہے ہیں؟ فرمایا: ہاں! بے شک اللہ اس بندے کو پسند فرماتا ہے جو اپنے بھائیوں کے پاس آراستہ ہو کر جائے۔ **(۱)**

(۲۵)۔ اور حدیث صحیح میں وارد ہوا کہ:

"اللہ تعالیٰ جمال والا ہے جمال کو پسند فرماتا ہے"۔ **(۲)**

(۲۶)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ: "اللہ پاک ہے، پاکیزگی کو پسند فرماتا ہے"۔ **(۳)**

(۲۷)۔ اور حدیث حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے کہ:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پراگندہ حال آدمی کو دیکھا کہ اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں، فرمایا: کیا اسے سر سنوارنے کے لیے کوئی چیز نہیں ملتی؟ نیز میلے کپڑے پہنے ایک شخص کو دیکھا، تو فرمایا: کیا اسے کپڑے دھونے کے لیے کچھ نہیں ملتا؟"۔

اس حدیث کو احمد نے روایت کیا ہے۔ **(۴)**

---

(۱) [احیاء علوم الدین لامام الغزالی: ج۳ ص۳۰۰۔ کتاب ذم الجاہ والریاء۔
الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی: ج۲ ص۶۔ راوی ایوب بن مدرک کی بحث میں]

(۲) [صحیح مسلم: ج۱ ص۹۳۔ حدیث نمبر۔۱۴۷]

(۳) [سنن ترمذی: ج۴ ص۴۰۹۔ حدیث نمبر۔۲۷۹۹]

(۴) [سنن ابوداؤد: ج۴ ص۵۱۔ حدیث نمبر۔۴۰۶۲۔
مسند احمد: ج۲۳ ص۴۲۔ حدیث نمبر۔۱۴۸۵۰]

(۲۸)۔ اور سنن میں ہے کہ:

"اللہ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اپنے بندہ پر اپنی نعمت کا اثر دیکھے"۔**(۱)**

اور بہت سے لوگ آراستگی اور بد حالی میں کمی، زیادتی کے شکار ہیں حالانکہ اس میں اعتدال بہتر ہے، جیسا کہ عقائد، اخلاق اور اعمال کی تمام حالتوں میں یہی معتبر ہے، اور ایسا ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے مطابق ہے۔

(۲۹)۔ ترمذی اور حاکم نے حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ:

جس شخص نے اللہ کے لیے تواضعاً (اعلیٰ) لباس چھوڑا حالانکہ وہ اس پر قدرت رکھتا ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے مخلوق کے سامنے بلا کر اختیار دے گا کہ ایمان کا جو لباس چاہے پہن لے۔**(۲)**

(۳۰)۔ اور وارد ہوا کہ:

"شہرت والی دو چیزوں سے بچو! اون اور ریشم سے"۔

اس کو ابو عبد الرحمن سلمی نے "سنن صوفیہ" میں اور دیلمی نے "مسند الفردوس" میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت کیا۔**(۳)**

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے چار سو دینار کی چادر زیب تن فرمائی۔ اور اپنے ساتھیوں سے فرمایا کرتے کہ: "خود کو آراستہ رکھا کرو تاکہ تمہیں کوئی حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھے"۔

البتہ یہ عمل آراستگی کے ارادے پر، لوگوں سے بے نیازی پر، علم کی تعظیم پر، دنیا کے متکبرین کے خلاف، دنیاداروں کے سامنے ذلت ورسوائی سے بچنے پر ہی محمول ہے، نہ کہ لوگوں بالخصوص فقراء اور صالحین کے سامنے فخر کرنے اور بڑائی مارنے کیلئے ہے، لہٰذا عمل کا مدار حسن نیت اور سلیم طبیعت پر ہے۔

---

(۱) [سنن ترمذی: ج۴ص ۴۲۱۔ حدیث نمبر۔۲۸۱۹]

(۲) [سنن ترمذی: ج۴ص ۲۰۱۔ حدیث نمبر۔۲۴۸۱]

(۳) [مسند الفردوس: ج۱ص ۸۳۔ حدیث نمبر۔۲۵۸] کتاب سنن صوفیہ نہیں ملی۔

اور حدیث میں یوں بھی وارد ہوا ہے کہ:

(۳۱)۔ ”یقیناً اللہ پاک تمہاری صورتوں اور تمہارے اعمال کو نہیں بلکہ تمہارے دلوں اور تمہاری نیتوں کو دیکھتا ہے“۔**(۱)**

(۳۲)۔ ”اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے“۔**(۲)**

(۳۳)۔ ”مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے“۔**(۳)**

اور ”شرعۃ الاسلام“ میں ہمارے بعض جید علماء سے منقول ہے کہ: ”پیوند والے اور کھردرے کپڑے پہننا اسلامی طریقہ ہے“۔**(۴)**

(۳۴)۔ اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ:

”جس کے کپڑے باریک ہوں اس کا دین کمزور ہے“۔**(۵)**

(۳۵)۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ:

---

(۱) یہ حدیث پاک ان الفاظ میں راقم کو نظر نہیں آئی۔ البتہ مسلم شریف اور سنن ابن ماجہ، میں درج ذیل الفاظ میں یہ روایت موجود ہے۔

إن اللہ لا ینظر إلی صورکم وأموالکم، ولکن ینظر إلی قلوبکم وأعمالکم۔

[صحیح مسلم: ج۴ ص۱۹۸۷۔ حدیث نمبر۔ ۲۵۶۴۔

سنن ابن ماجہ: ج۲ ص۱۳۸۸۔ حدیث نمبر۔ ۴۱۴۳]

(۲) [صحیح بخاری: ج۱ ص۶۔ حدیث نمبر۔ ۱]

(۳) مسند الشھاب القضاعی: ج۱ ص۱۱۹۔ حدیث نمبر۔ ۱۴۸۔

المعجم الکبیر للطبرانی: ج۶ ص۱۸۵۔ حدیث نمبر۔ ۵۹۴۲]

(۴) [مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام: ص۳۱۹۔ فصل فی سنن اللباس۔

فتاوی ہندیہ: ج۵ ص۳۳۳۔ الباب التاسع فی اللبس مایکرہ من ذلك ومالا یکرہ]

(۵) [احیاء علوم الدین لغزالی: ج۲ ص۹۷۔ کتاب تفریق الصدقات۔ الکنیٰ والاسماء اللدولابی: ج۲ ص۸۹۸۔ روایت نمبر۔ ۱۵۷۹]

"حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے جب ایک شخص کو دو باریک کپڑے پہنے دیکھا تو اس پر درہ اٹھایا اور فرمایا: یہ عورتوں کے لیے چھوڑ دو"۔ **(۱)**

ہاں! اس سلسلے میں رخصت ان کے لیے دی گئی ہے جو (اعلیٰ درجے کے) زہد سے وابستہ نہیں ہیں اور شریعت کی دی ہوئی رخصت پر کاربند رہتے ہیں، جیسا کہ: "عوارف" میں ہے۔ **(۲)**

(۳۶)۔ یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ

"حضرت عبد اللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں عمدہ لباس زیب تن کئے ہوئے حاضر ہوئے اور ان سے زہد سے متعلق دریافت کیا، تو حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے اپنی ہتھیلی منہ پر رکھ کر ٹھٹھہ مارا پھر ان سے منہ پھیر لیا اور کوئی بات نہیں کی، حضرت عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ غضب ناک ہو گئے اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے شکایت کی تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: کہ ابو ذر کے پاس ان کپڑوں میں حاضر ہو کر ان سے زہد کے بارے میں پوچھتے ہو؟ (یعنی اس طرح کے کپڑے پہن کر زہد کے بارے میں پوچھنے کے سبب ایسا ہوا) اور وہ فرماتے ہیں کہ:

"باریک کپڑے فساق کے کپڑے ہیں"۔ ایسا ہی شرح خطب میں ہے۔ **(۳)**

اور رہا ملائم کپڑا پہننا تو وہ درست نہیں البتہ جو اپنے حال سے واقف، اپنے نفس کی صفات سے آشنا، نفس کی چھپی ہوئی شہوتوں سے چھٹکارہ پانے والا ہو اس کے لیے جائز ہے، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس سلسلے میں اپنی حسنِ نیت کی وجہ سے ملاقات کرے گا۔

---

(۱) [عوارف المعارف: لشہاب الدین السہروردی: ص ۱۶۴۔ چوالیسواں باب] اس میں للنساء سے قبل لفظ "البراقات" ہے۔ **(۲)** [مرجع سابق: ص ۱۶۵]

(۳) شرح خطب دستیاب نہیں ہوئی۔ البتہ یہ روایت مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام: ص ۳۱۹۔ فصل فی سنن اللباس۔ میں ہے۔

اوراس سلسلے میں حسن نیت کی متعدد صورتیں ہیں جن کا ذکر باعث تطویل ہے، نیز شیخ ابو نجیب سہروردی کسی خاص لباس کے پابند نہیں تھے بلکہ جو بغیر تکلف مل جاتا وہ پہن لیا کرتے تھے، اور عمامہ دس دینار کا بھی پہنتے تھے اور ایک دانق کا بھی۔**(۱)**

اور میں نے بعض مشائخ سے سنا کہ (حضرت) جنید (بغدادی علیہ الرحمہ) نے بعض ایام میں ہرے رنگ کی قیمتی، نہایت ہی باریک اور ملائم اون پہنی، جب ان سے اس معاملہ میں عرض کیا گیا تو فرمایا کہ:

اے بندہ خدا! رُک جا، تقویٰ حرارتِ (ایمانی) میں ہے نہ کہ کپڑے میں۔**(۲)**

حاصل یہ کہ زہد کا آغاز کرنے والوں کے لیے زیادہ مناسب ہے کہ وہ دنیاوی معاملات میں کھانے، پینے، پہننے، رہنے اور اسی طرح کے ہر معاملہ میں سادگی کو ہی اختیار کریں، اور درجہ زہد تک پہنچ جانے والوں کے لیے یوں ہی اس سے بھی افضل حالت کو اختیار کرنا (زیادہ مناسب ہے) بشرطیکہ حسنِ نیت شامل ہو، ان کا ایسا کرنا اقتدا کی وجہ سے ہے (کیوں کہ لوگ ان کی اقتداء کریں گے)۔ واللہ اعلم۔

اور "شال" بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال فرمائی ہے، جیسا کہ (امام) سیوطی نے اپنے رسالہ بنام "طی اللسان عن ذم الطیلسان" میں اس کو بیان کیا ہے۔**(۳)**

البتہ بعض علما نے اس کو ضروری اوقات میں استعمال کرنے پر محمول کیا ہے، جیسا کہ صاحبِ "قاموس" نے "صراط مستقیم" (۴) میں اس کو ذکر کیا۔

اور ابن قیم نے کہا کہ یہ گریبان کی طرح لمبی چوڑی آستینیں اور میناروں کی طرح عمامے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور کسی صحابی نے نہیں پہنے لہذا یہ سنت کے خلاف

---

(۱) [عوارف المعارف: ص ۱۶۲، ۱۶۳]

(۲) [مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام: ص ۳۱۹، ۳۲۰۔ فصل فی سنن اللباس]

(۳) [مخطوطہ، طی اللسان عن ذم الطیلسان" ص ۳]

(۴) [صراط مستقیم المعروف سفر السعادۃ: ص ۱۵۰]

ہے اوراس کاجواز محل نظر ہے کیوں کہ یہ تکبر کی جنس سے ہے۔ **(۱)**

اور صاحب ''مدخل'' نے کہاکہ صاحبِ بصیرت پر پوشیدہ نہیں کہ اس وقت بعض اہل علم کی آستینیں (ایسی ہیں) کہ اس میں اضاعتِ مال ہے جو ممنوع ہے، کیوں کہ کبھی کبھار ایسی آستین سے کسی اور کے لیے کپڑا بچ جاتاہے۔ **(۲)**

قسطلانی نے کہا: کہ لوگوں میں لمبی آستینوں کارواج ہر طرح کے لوگوں کا شعار اور پہچان بن چکاہے تواگر یہ طریقہ تکبر کے طور پر ہے تو اس کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں اوراگر عادت ورواج کے طور پر ہے توجب تک لٹکانے کی حدِّممنوع تک نہ پہنچے، جائزہے۔ **(۳)** کلام مکمل ہوا۔

حاصلِ کلام یہ کہ مقدار سنت سے زیادہ کرنایاتومکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی، لہٰذا نفس کی پیروی اوراتباعِ شریعت کے ترک سے کلی طور پر بچناچاہئے۔ اورابن حجر نے اس مقام پر ''شرح اربعین'' میں ایک عجیب بات کہی کہ:

آستینیں لمبی رکھنے کے سلسلے میں علمانے اختلاف کیاہے بعض نے مکروہ قرار دیاہے اور بعض نے سنت۔ **(۴)** کلام مکمل ہوا۔

نیز آستین کی لمبائی کے سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اورآپ کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جوکچھ ثابت ہے وہ آپ جان چکے ہو، لہٰذا یہ کہنازیادہ بہتر ہے کہ: ''اس کو بعض علمانے جائز قرار دیاہے''۔ واللہ اعلم۔

---

(۱) [زادالمعاد لابن القیم: ج ۱ ص ۱۳۵۔ فصل فی ذکر سراویلہ ونعلہ وخاتمہ وغیر ذلک] زادالمعاد، میں عمائم کالابراج، (میناروں کی طرح عمامے) کے الفاظ نہیں ہیں۔ البتہ المواہب اللدنیہ: ج ۲ ص ۱۸۶۔ میں یہ الفاظ ابن قیم کے حوالے سے موجود ہیں۔

(۲) المدخل لابن الحاج: ج ۱ ص ۱۳۰۔ فصل فی اللباس]۔ **(۳)**۔ [المواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ: ج ۲ ص ۱۸۷۔ النوع الثانی فی لباسہ صلی اللہ علیہ وسلم وفراشہ]

(۴) [الفتح المبین لشرح الاربعین، لابن حجر الہیتمی: ص ۳۳۳۔ مخطوطہ]

شملہ سے متعلق احادیث

(۳۷)۔ انہی میں سے ایک وہ روایت ہے جسے حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا، فرماتے ہیں کہ:

"میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر کالا عمامہ باندھے ہوئے دیکھا جس کا کنارہ دونوں شانوں کے بیچ لٹکا تھا"۔

اس کو مسلم اور ابو داؤد نے روایت کیا۔**(۱)**

اوران کا قول "طرفھا" مسلم کے اکثر نسخوں میں تثنیہ "طرفیھا" کے ساتھ ہے اور بعض نسخوں میں مفرد "طرفھا" ہے، قاضی عیاض نے فرمایا کہ: مفرد ہی ٹھیک ہے۔**(۲)**

اور قسطلانی نے کہا کہ مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں کالا عمامہ پہنے ہوئے داخل ہوئے"۔

اس میں شملہ کا ذکر نہیں ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ شملہ نہیں لٹکاتے تھے۔**(۳)**

(۳۸)۔ انہی میں سے ایک وہ بھی ہے جسے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کیا اور فرمایا کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عمامہ باندھتے تو اپنے دونوں شانوں کے درمیان شملہ لٹکاتے" نافع کہتے ہیں کہ "حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ایسا

---

(۱) صحیح مسلم: ج ۲ ص ۹۹۰۔ حدیث نمبر۔ ۱۳۵۹۔
سنن ابو داؤد: ج ۴ ص ۵۴۔ حدیث نمبر۔ ۴۰۷۷]

(۲) اکمال المعلم بفوائد مسلم للقاضی عیاض: ج ۴ ص ۴۷۹۔
کتاب الحج، باب جواز دخول مکۃ بغیر احرام]

(۳) [المواھب اللدنیۃ: ج ۲ ص ۱۸۹۔ النوع الثانی فی لباسہ صلی اللہ علیہ وسلم]

ایساہی کرتے تھے"۔اس کو شمائل میں ترمذی نے روایت کیا۔**(۱)**

(۳۹)۔ نیز انہی میں سے ایک یہ بھی ہے جسے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیااور فرمایا کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عمامہ باندھاتومیرے آگے اور پیچھے شملہ لٹکایا"۔ اس کو ابوداؤد نے روایت کیا۔**(۲)**

(۴۰)۔ انہی میں سے ایک وہ روایت بھی ہے جسے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے روایت کیا،وہ فرماتی ہیں کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عمامہ باندھااور چارانگل شملہ لٹکایا"۔

اس کو طبرانی نے اوسط**(۳)** میں اپنے شیخ "مقدام بن داؤد" سے روایت کیاجو ضعیف ہے۔**(۴)**

(۴۱)۔پھر انہی میں سے حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ایک حدیث مروی ہے کہ:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی عمامہ باندھتے تو اس کا شملہ اپنے آگے اور پیچھے لٹکاتے"۔

اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا۔(۵)اوراس روایت میں "حجاج بن رشدین" ہے جسے ضعیف کہا گیاہے۔(٦)

---

(۱) [الشمائل المحمدیہ:ج۱ص۱۰٦،۱۰۷۔باب ما جاء فی عمامۃ النبی]

(۲) [سنن ابوداؤد:ج۴ص۵۵۔حدیث نمبر۔۴۰۷۹]

(۳) [المعجم الاوسط للطبرانی:ج۸ص۳٦۹۔حدیث نمبر۔۸۹۰۱]

(۴) [سیر اعلام النبلاء للذھبی:ج۱۳ص۳۴۵]

(۵) [المعجم الاوسط للطبرانی:ج۱ص۱۱۰۔حدیث نمبر۔۳۴۲]

(٦) [الکامل لابن عدی:ج۲ص۵۳٦]

(۴۲)۔ انہی میں سے ایک وہ حدیث بھی ہے جسے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کیا کہ:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عمامہ باندھا تو چار انگل شملہ پیچھے لٹکایا پھر فرمایا اس طرح عمامہ باندھا کرو کیوں کہ یہ عربی طریقہ ہے اور بہت اچھا ہے"۔

اس روایت کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا نیز اس کی سند حسن ہے۔**(۱)**

اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عمامہ شملہ کے ساتھ زیادہ اچھا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ بغیر شملہ کے عمامہ بھی درست ہے، بلکہ اس میں تو شملہ کو مکروہ کہنے والے شخص کا رد بھی ہے۔

(۴۳)۔ انہی میں سے ایک وہ روایت بھی ہے جسے حضرت ابو عبد السلام رحمہ اللہ نے روایت کیا، فرمایا کہ:

"میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے عمامہ باندھتے تھے؟ فرمایا: عمامہ کے کنارے کے پیچ کو اپنے سر پر گھماتے تھے اور اسے پیچھے گھڑس لیتے تھے اور اس کا شملہ اپنے دونوں شانوں کے درمیان لٹکا لیتے تھے"۔ اس کو طبرانی نے "کبیر" میں روایت کیا۔**(۲)**

نیز اس کی سند صحیح کی شرط کے مطابق ہے سوائے "ابو عبد السلام" کے۔ البتہ (صحیح یہی ہے کہ) وہ ثقہ ہیں۔**(۳)**

---

(۱) [المعجم الاوسط للطبرانی: ج۵ ص۶۱ حدیث نمبر۔ ۴۶۷۱]

(۲) [المعجم الکبیر للطبرانی: ج۱۳ ص۲۷۸۔ حدیث نمبر۔ ۱۴۰۳۹]

(۳) [الضعفاء والمتروکون لابن الجوزی: ج۳ ص۲۳۴۔ لسان المیزان: ج۹ ص۱۱۵۔ میزان الاعتدال للذھبی: ج۴ ص۵۴۸۔ الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم: ج۹ ص۴۰۶] اور ان کے علاوہ کتابوں میں مجہول، لایعرف، لکھا ہوا ہے۔

(۴۴)۔ انہی میں سے ایک وہ حدیث ہے جسے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ:

"جبرائیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اس حالت میں حاضر ہوئے کہ ان پر کالا عمامہ تھا جس کے کنارے پیچھے لٹکے ہوئے تھے"۔

اس کو طبرانی نے "کبیر" میں روایت کیا اور اس میں "عبد اللہ بن عامر" ہے جو کہ ضعیف ہے۔**(۱)**

(۴۵)۔ اور انہی میں سے ایک وہ حدیث ہے جو حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرمایا کہ:

"میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ وہ اپنا شملہ پیچھے لٹکاتے"۔**(۲)**

اس روایت میں ان کی خصوصیت کی طرف اشارہ ہے۔

(۴۶)۔ انہی میں سے ایک وہ حدیث ہے جسے حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا، فرماتے ہیں کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو والی بنا کر بھیجتے تو اس کو عمامہ باندھتے اور سیدھی جانب کان کے قریب شملہ لٹکاتے"۔

اس کو طبرانی نے "کبیر" میں روایت کیا۔**(۳)**

نیز اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس طرح عمامہ پوشی اس امت کے اُمراء کے ساتھ خاص ہے تاکہ وہ عام لوگوں سے ممتاز رہیں۔

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی میں یہ راویت نہیں ملی۔
البتہ مجمع الزوائد: ج ۵ ص ۱۲۰۔ اور دیگر کتابوں میں یہ روایت ہے۔

(۲) [السنن الکبریٰ للبیہقی: ج ۳ ص ۳۹۷۔ حدیث نمبر۔ ۶۱۴۰]

(۳) [المعجم الکبیر للطبرانی: ج ۸ ص ۱۴۴۔ حدیث نمبر۔ ۷۶۴۱]

(۴۷)۔ اور انہی میں سے ایک وہ روایت ہے جسے حضرت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا، فرمایا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیبر کی طرف بھیجا تو ان کو کالا عمامہ باندھا اور عمامہ کے پیچھے شملہ لٹکایا، یا (راوی نے) کہا کہ: ان کے دونوں شانوں کے درمیان (لٹکایا)۔

اس روایت کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا اور اس کی سند حسن ہے۔**(۱)**

(۴۸)۔ انہی میں سے ایک حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرمایا کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اس گھر کے صحن میں عبد الرحمن بن عوف کو عمامہ باندھا اور ان کے عمامہ سے ''عُشَر'' (بوہڑ کی طرح بڑے بڑے پتوں اور گوند والے ایک بڑے درخت) کے پتے کے برابر چھوڑ دیا''۔**(۲)**

''عُشَر'' بروزن ''صُرَد'' بمعنیٰ: پیڑ، ایسا ہی قاموس اور نہایہ میں ہے۔**(۳)**

پھر فرمایا:

''میں نے اکثر فرشتوں کو عمامہ باندھے دیکھا ہے''۔

اس کی تخریج ابن عساکر نے کی۔(۴)

(۴۹)۔ انہی میں سے ایک روایت حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، فرمایا کہ:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمامہ باندھتے تھے اور عمامہ کے پیچ اپنے سر پر

---

(۱)[مجمع الزوائد: ج۵ ص۲۶۷۔ حدیث نمبر۔۹۳۷۵]
المعجم الکبیر للطبرانی میں یہ روایت نہیں ملی۔

(۲) تاریخ دمشق لابن عساکر: ج۲۲ ص۸۱۔ حدیث نمبر۔۲۶۱۸]

(۳) القاموس المحیط: ج۱ ص۴۴۰۔ النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر: ج۳ ص۲۴۱]

(۴)[تاریخ دمشق لابن عساکر: ج۲۲ ص۸۱۔ حدیث نمبر۔۲۶۱۸]

گھماتے تھے۔ اوراسے پیچھے گھرس لیتے تھے۔ اوراپنے دونوں شانوں کے درمیان شملہ لٹکاتے تھے"۔(۱)

(۵۰)۔ اور حضرت واثلہ اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں آتا ہے کہ:

"وہ دونوں حضرات اپنے شملے ایک ذراع کے قریب اپنے پیچھے لٹکاتے تھے"۔(۲)

بعض حفاظ نے کہا کہ شملہ کی لمبائی میں کم سے کم جووارد ہوا ہے، وہ چار اُنگل ہے اورزیادہ سے زیادہ ایک ذراع اوران دونوں کے مابین ایک بالشت۔(۳)

لیکن "عین العلم مختصر الاحیاء" میں ہے کہ شملہ دونوں شانوں کے درمیان ایک بالشت تک لٹکایا جائے یا بیٹھنے کی جگہ تک یانصف پیٹھ تک اور یہ لٹکانے کی درمیانی حد ہے، البتہ تمام صورتیں مروی ہیں۔(۴)

---

(۱) شعب الایمان للبیہقی:ج۸ص۲۸۹۔ حدیث نمبر۔۵۸۳۸۔
المعجم الکبیر للطبرانی:ج۱۳ص۲۱۸۔۱۵۰۳۹]
البتہ ان دونوں کتابوں میں لفظ"یغرسھا" کی جگہ "یغرزھا" اور"یرخی" کی جگہ "یرسل لھا" اور"یرسلھا" ہے۔

(۲) یہ روایت حضرت واثلہ کے حوالے سے نظر نہیں آئی۔ البتہ حضرت عبداللہ بن زبیر کے تعلق سے مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالے سے الحاوی للفتاوی للسیوطی: ج۱ص۸۹۔ میں ہے۔ لیکن مصنف ابن ابن شیبہ میں یہ روایت فقیر کو نظر نہیں آئی۔ البتہ یہ روایت حضرت انس کے تعلق سے مصنف ابن ابی شیبہ: ج۵ص۱۷۸۔ حدیث نمبر۔۲۴۹۵۵۔ میں ہے۔

(۳) [تحفۃ المحتاج فی شرح المنہاج لابن حجر الہیتمی:ج۳ص۳۷۔ فصل فی اللباس فی الصلاۃ]

(۴) [عین العلم وزین الحلم فی اختصار احیاء علوم الدین لمحمد بن عثمان البلخی: مخطوطہ۔ص۲۱۰]

(۵۱)۔ اور انہی میں سے ایک روایت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے، فرمایا کہ:

"مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غدیرِ خُم کے دن عمامہ باندھا تو میرے پیچھے شملہ لٹکایا"۔

اور ایک روایت میں ان الفاظ سے ہے کہ:

"کہ عمامہ کا کنارہ میرے کاندھے پر لٹکایا"۔

اور (حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یوں بھی) فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے بدر و حنین کے دن اس عمامہ کی طرح عمامہ باندھے ہوئے فرشتوں کے ذریعہ میری مدد فرمائی"۔

بلکہ یوں بھی فرمایا کہ: "عمامہ کفر اور ایمان کے درمیان فاصل ہے"۔

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

"مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان"۔

اس کو ابن ابی شیبہ، بیہقی اور طیالسی نے روایت کیا۔(۱)

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) مصنف علام ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے عین العلم کی شرح بھی تحریر فرمائی ہے۔ اس میں اس عبارت کی شرح میں لکھا ہے:

"ای عند المصنف والافالاول واشھروا کثروا ظھر" یعنی یہ مقدار مصنف کے نزدیک ہے ورنہ تو عذبہ کی مقدار مناسب وہی ہے جو پہلے ذکر ہوئی یعنی ایک بالشت۔

[شرح عین العلم، لملا علی قاری: ج ۱ ص ۳۰۵۔ بیان فضل الاتباع فی المعیشۃ]

(۱) السنن الکبری للبیہقی: ج ۱۰ ص ۲۴۔ حدیث نمبر۔ ۱۹۷۳۶۔

مسند ابی داؤد الطیالسی: ج ۱۱۳۰۔ حدیث نمبر۔ ۱۴۹۔ کنز العمال: ج ۱۵ ص ۴۸۲۔ حدیث نمبر۔ ۴۱۹۰۸۔ اتحاف الخیرۃ المھرۃ بزوائد المسانید العشرۃ لابی العباس البوصیری۔ ج ۴ ص ۴۸۷۔ حدیث نمبر ۳۹۳۹۔ بروایت لامام ابی بکر بن ابی شیبہ]

(۵۲)۔ نیز انہی میں سے ایک روایت حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی (مرفوعاً) مروی ہے کہ:

''عمامے اختیار کرو کیونکہ وہ فرشتوں کی پہچان ہیں اور عمامے کے شملے پیچھے لٹکاؤ''۔

اس کو طبرانی نے روایت کیا اور ایسے ہی ''حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ'' سے بیہقی نے روایت کیا۔ **(۱)**

(۵۳)۔ نیز انہی میں سے حضرت عبد الاعلیٰ بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کو عمامہ باندھا اور عمامہ کا شملہ ان کے پیچھے کی طرف لٹکایا''۔ **(۲)**

نیز فرمایا:

''عمامہ اسلام کی علامت اور مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان خط امتیاز ہے''۔

اس کو دیلمی نے روایت کیا۔ **(۳)**

(۵۴)۔ اور انہی میں سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں بھی مروی ہے کہ:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے ہاتھ سے عمامہ باندھا تو عمامہ کا کنارہ ان کے پیچھے اور آگے لٹکایا پھر ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

پیچھے مڑو، تو وہ پیچھے مڑے، پھر فرمایا: آگے ہو جاؤ تو وہ آگے ہو گئے پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

فرشتوں کے تاج ایسے ہی ہوتے ہیں''۔

---

(۱) [المعجم الکبیر للطبرانی: ج ۱۲ ص ۳۸۳۔ حدیث نمبر۔ ۱۳۴۱۸۔
شعب الایمان للبیہقی: ج ۸ ص ۲۹۵۔ حدیث نمبر۔ ۵۸۵۱۔

(۲) کنز العمال: ج ۱۵ ص ۴۸۳۔ حدیث نمبر۔ ۴۱۹۰۸۔

(۳) [مسند الفردوس للدیلمی: ج ۳ ص ۴۲۔ ۴۲۲۸]

اس کو ابن شاذان نے اپنی "المشیخۃ (الصغریٰ)" میں روایت کیا۔**(۱)**

(۵۵)۔ اور ایک روایت میں ہے کہ:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک "سحاب" نامی عمامہ تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کو پہنایا اور اس کا شملہ لٹکایا"۔**(۲)**

(۵۶)۔ اور انہی میں سے ایک روایت حضرت ابن ابی رزین رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے، فرمایا کہ:

"میں عید کے دن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ عمامہ باندھے ہوئے تھے اور ان کے عمامہ کا شملہ ان کے پیچھے لٹکا ہوا تھا"۔**(۳)**

اس میں اس امر کا شعور دلانا ہے کہ شملہ کا دونوں طرف لٹکانا حکومت اور جنگ کی حالت میں خاص ہے، اور پیچھے لٹکانا عظیم محافل کے ساتھ خاص ہے یا پھر اکابر ائمہ اور لوگوں کے خطبا کے لیے خاص ہے، اور شملہ آگے کی طرف کرنا ملائکہ کے شعار کی خبر دینا ہے، جب وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدد کے لیے اُترے جیسا کہ اللہ پاک نے اپنے اس قول کے ذریعہ خبر دی:

يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ **(۴)**

واؤ مشدد کے کسرہ اور اسکے فتحہ کے ساتھ، جو "معلَمین" کے معنٰی میں ہے۔

---

(۱) [مشیخۃ ابن شاذان الصغریٰ: ص۲۷، ۲۸]

(۲) یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ احقر کو نظر نہیں آئی۔ البتہ اس مفہوم کی روایت "التیسیر بشرح الجامع الصغیر للمناوی: ج۲ ص۲۷۴۔ فیض القدیر بشرح الجامع الصغیر للمناوی: اور اس کے علاوہ کتابوں میں ہے۔

(۳) [السنن الکبریٰ للبیہقی: ج۳ ص۳۹۷۔ حدیث نمبر۔ ۶۱۴۰]

(۴) "تمہارا رب تمہاری مدد کو پانچ ہزار فرشتے نشان والے بھیجے گا"

[کنز الایمان: پارہ،۴۔ سورہ، آل عمران۔ آیت ۱۲۵]

(۵۷)۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ:

"فرشتے چتکبرے گھوڑوں پر تھے ان پر پیلے عمامے تھے اوران کے شملے ان کے شانوں پر تھے"۔**(۱)**

(۵۸)۔ اور ایک روایت میں آیا کہ:

"ان کے عمامے کالے تھے"۔

اس کو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کیا۔**(۲)**

(۵۹)۔ دوسری روایت میں ہے کہ:

"ان کے عمامے سفید تھے"۔

اس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے۔**(۳)**

اور سخاوی نے "معجم الطبرانی الکبیر" کے حوالے سے سند حسن کے ساتھ ذکر کیا کہ:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیبر بھیجا تو انہیں کالا عمامہ باندھا اوران کے پیچھے شملہ لٹکایا"۔

یایوں فرمایا کہ: "ان کے دائیں جانب شملہ لٹکایا"۔

اس میں (راوی کو) شک ہے اور کبھی دوسرے قول پر بھی یقین کیا گیا ہے۔**(۴)**

حافظ سیوطی نے بعض سابقہ احادیث کے ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ:

---

(۱) [تفسیر بغوی: ج ۱ ص ۵۰۳۔ سورہ، آل عمران۔ آیت ۱۲۵۔ تفسیر خازن: ج ۱ ص ۲۹۴۔ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری: ج ۱۷ ص ۷۷۔ باب قصہ غزوہ بدر]

(۲) [المعجم الکبیر للطبرانی: ج ۱۱ ص ۱۹۳۔ حدیث نمبر۔ ۱۱۴۶۹۔ تفسیر ابن کثیر: ج ۲ ص ۱۱۳۔ سورہ، آل عمران۔ آیت ۱۲۵۔]

(۳) [الدر المنثور فی التفسیر بالماثور: ج ۲ ص ۳۰۹۔ سورہ، آل عمران۔ آیت ۱۲۵۔ المعجم الکبیر للطبرانی: ج ۱۱ ص ۳۸۹۔ حدیث نمبر۔ ۱۲۰۸۵]

(۴) [مواہب الجلیل لحطاب الرعینی: ج ۱ ص ۵۴۱۔ الحاوی للفتاوی: ج ۱ ص ۳۵۹]

''شملہ سے متعلق احادیث سے اب مجھے جو کچھ حاصل ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ شیخ مجد الدین کا یہ قول کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شملہ تھا'' یہ صحیح ہے۔ البتہ ان کا قول ''طویلۃ'' (یعنی شملہ لمبا تھا) تو میں نے اسے کہیں نہیں دیکھا، لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ یہ مقدار شانوں کے درمیان شملہ لٹکانے والی احادیث سے اخذ کی گئی ہو اور ان کا قول ''بین کتفیہ'' صحیح ہے، جیسا کہ گزر چکا۔ البتہ ان کا قول ''وتارۃ علی کتفہ'' (یعنی شملہ کبھی ان کے شانے پر ہوتا) تو میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس طرح پہننے پر واقف نہیں ہوا، البتہ پہنانے کا بیان حضرت علی اور حضرت عبد الرحمن رضی اللہ تعالی عنہما کو عمامہ پہنانے کے سلسلہ میں گزر چکا۔ نیز ان کا یہ قول کہ:

''شملہ کبھی ترک نہیں فرمایا'' تو اس سلسلے میں مجھے کوئی حدیث نہیں مل سکی بلکہ صاحب ''الہدی'' **(۱)** نے ذکر کیا ہے کہ:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی شملہ کے ساتھ عمامہ پہنتے اور کبھی بغیر شملہ کے''

(امام سیوطی کا) کلام مکمل ہوا۔ **(۲)**

اور ابن حجر نے بھی انہی (سیوطی) کی اتباع کی ہے، البتہ ان کی طرف نسبت نہیں کی بلکہ ان سے بھی زیادہ سختی کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''وھو مردود'' (یعنی شیخ مجد الدین کا قول مردود ہے)۔ **(۳)**

میں کہتا ہوں کہ: شیخ مجد الدین کی (طرف منسوب کردہ قول کی) یہ نقل بھی محل نظر ہے، کیوں کہ یہ نقل خود انہی کے اس بیان کے مخالف ہے جو انہوں نے اپنی کتاب ''صراط مستقیم'' میں ذکر کیا ہے، چنانچہ فرمایا کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی عمامہ کا شملہ اپنے شانوں کے درمیان لٹکاتے

---

(۱) زاد المعاد فی ھدی خیر العباد لابن قیم۔ **(۲)** [الحاوی للفتاوی: ج۱ ص۵۹-۳]

(۳) [مخطوطہ، در الغمامۃ فی در الطیلسان والعذبۃ والعمامۃ: ص۶۔
تحفۃ المحتاج فی شرح المنھاج: ج۳ ص۳۷]

اور کبھی عمامہ بغیر شملہ پہنتے تھے ،بلکہ کبھی عمامہ ٹھوڑی کے نیچے سے پہنتے تھے۔ نیز کبھی عمامہ بغیر ٹوپی کے پہنتے اور کبھی ٹوپی کے ساتھ ، کبھی تو بغیر عمامہ کے محض ٹوپی ہی پہنتے، البتہ اکثر حالتوں میں عمامہ کا شملہ اپنے شانوں کے درمیان ہی لٹکایا کرتے تھے"۔

کلام مکمل ہوا۔**(۱)**

لہٰذا ان کا یہ قول کہ "شملہ کبھی ترک نہیں فرمایا" ہمیشگی کے سلسلہ میں مبالغہ پر محمول ہے، یا پھر ان کی مراد "کل" کو "اکثر" کے حکم میں اتارنے کی ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی روایت میں ہے کہ:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پورے شعبان کے روزے رکھتے تھے"۔**(۲)**

اور نووی نے "شرح مہذب"**(۳)** میں کہا کہ:

"عمامہ شملہ اور بغیر شملہ دونوں طرح پہننا جائز ہے اور دونوں صورتوں میں سے کسی میں بھی کوئی کراہت نہیں ہے۔ البتہ شملہ کے ترک کے بارے میں جو نہی ہے وہ صحیح نہیں اور شملہ کا زیادہ لٹکانا ارسالِ ثوب (یعنی کپڑا لٹکانے) کی طرح ہے۔ لہٰذا وہ اگر ازراہ تکبر ہے تو حرام ہے۔ اور اگر بلا تکبر ہے تو محض مکروہ ہے، جس کی دلیل حدیث عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ حدیث ہے کہ: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لٹکانا ازار، قمیص اور عمامہ سب میں ہے، جس نے بھی ان میں سے کسی کو بطور تکبر گھسیٹا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرمائے گا"۔

اس کو ابو داؤد اور نسائی نے صحیح سند سے روایت کیا۔**(۴)**

---

(۱) [صراط مستقیم المعروف سفر السعادۃ: ص۱۴۹]

(۲) [صحیح بخاری: ج۳ ص۳۸۔ حدیث نمبر۔ ۱۹۷۰۔ صحیح مسلم: حدیث نمبر۔ ۱۱۵۶]

(۳) [المجموع شرح المہذب للنووی: ج۴ ص۴۵۷۔ باب مایکرہ لبسہ ومالا یکرہ]

(۴) [سنن ابو داؤد: ج۴ ص۶۰۔ حدیث نمبر۔ ۴۰۹۴۔
السنن الکبریٰ للنسائی: ج۸ ص۴۴۰۔ حدیث نمبر۔ ۹۶۳۷]

چنانچہ جب کوئی شخص اس معاملہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرے اوراس میں تکبر پائے تواس کی دوایہ ہے کہ اس سے اعراض کرے اوراپنے نفس کو اس کے ترک پر آمادہ کرے۔ پھر اس پر شملہ کا ترک واجب نہیں ہے، ہاں! اگر بغیر ترک کے (وہ کیفیت) زائل نہ ہو تو کچھ مدت کے لیے چھوڑ دے تاکہ وہ کیفیت ختم ہو جائے، کیوں کہ شملہ کا ترک مکروہ نہیں لیکن تکبر کا ازالہ ضروری ہے"۔ **(۱)** کلام مکمل ہوا۔

ابن حجر نے فرمایا کہ:

"فرض ہو یا نفل جس میں ریا کا خوف ہو تو خاص مدت تک اس کا ترک لازم ہے۔ (یعنی جب تک یہ کیفیت رہے) اور اس پر نظر کا ہونا ظاہر ہے"۔ **(۲)** کلام مکمل ہوا۔

اور تعجب اس بات میں ہے جو انہوں نے کہی کہ:

"اس پر فرض کا ترک لازم ہے"

حالانکہ فرض وسنت میں کلام نہیں ہے بلکہ کلام اس عبادت میں ہے جس کا ترک مکروہ نہ ہو۔ چنانچہ اس (شملہ) کا ترک مکروہ نہیں ہے۔ پھر ابن ابی شریف نووی نے ان کا اس سلسلہ میں تعقب کیا، جن کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ:

"شملہ کا لٹکانا اور نہ لٹکانا دونوں طرح جائز ہے" فرمایا کہ:

"ایسا نہیں ہے بلکہ شملہ کا لٹکانا مستحب ہے اور اس کا ترک کرنا خلاف اولیٰ ہے"۔ **(۳)** ایسا ہی حطاب نے ذکر کیا۔ **(۴)**

---

(۱) [الحاوی للفتاوی للسیوطی: ج ۱ ص ۳۶۰۔ باب فتاوی قرآنیہ۔
المجموع شرح المہذب للنووی: ج ۴ ص ۴۵۴ تا ۴۵۸۔ باب ما یکرہ لبسہ وما لا یکرہ]

(۲) [مخطوطہ، درالغمامۃ فی درالطیلسان والعذبۃ والعمامۃ لابن حجر الہیتمی: ص ۷]

(۳) [صوب الغمامۃ فی ارسال طرف العمامۃ للشیخ کمال الدین محمد ابن ابی شریف المقدسی: ص ۴۳، ۴۴]

(۴) [مواہب الجلیل لحطاب الرعینی: ج ۱ ص ۵۴۱]

لیکن اس قول میں ایک بحث ہے، چنانچہ ان کا یہ کہنا کہ:

''شملہ کے لٹکانے اور نہ لٹکانے میں کوئی کراہت نہیں ہے'' اس کا مدار اس بات پر ہے کہ: ترکِ شملہ کے سلسلے میں نہی صحیح نہیں ہے حالانکہ یہ شملہ کے مستحب ہونے کے منافی نہیں البتہ اس کا ترک خلاف اولیٰ ہے۔ **(۱)**

ہمارے علماے احناف نے شملہ کے مستحب ہونے کی صراحت فرمائی ہے۔ **(۲)**

اور مستحب کی یہ تعریف کی ہے کہ اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کیا ہو اور کبھی چھوڑا ہو، بخلاف سنت کے، کیوں کہ سنت پر ہمیشگی فرمائی ہے اس کا ترک نادر الوقوع ہے۔ **(۳)**

اور پیچھے گزر چکا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی شملہ لٹکاتے اور کبھی نہیں۔

اور میرک شاہ کی ''شرح شمائل'' میں ہے کہ:

''کتب سیر میں روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اپنے شانوں کے درمیان شملہ لٹکاتے تھے اور کبھی عمامہ بغیر شملہ پہنا کرتے۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ دونوں میں سے ہر ایک کا ادا کرنا سنت ہے''۔ **(۴)**۔ کلام مکمل ہوا۔

اور رہا شملہ کے نہ لٹکانے کے سلسلے میں نہی کا معاملہ تو اس سلسلہ میں سنداً کچھ بھی وارد نہیں ہوا۔

---

(۱) [صوب الغمامۃ فی ارسال طرف العمامۃ لکمال الدین محمد بن ابی شریف المقدسی: ص ۴۴]

(۲) [محیط برہانی: ج ۵ ص ۳۴۰۔ کتاب الاستحسان والکراہیۃ۔
فتاوی ہندیہ: ج ۵ ص ۳۳۰۔ باب فی اللبس مایکرہ من ذلک ومالا یکرہ]

(۳) [ردالمحتار علی الدرالمختار: ج ۱ ص ۱۰۳ تا ۱۰۵۔ باب سنن الوضوء۔
حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح: ج ۱ ص ۶۴، ۶۵]

(۴) [شرح الشمائل لمیرک شاہ نسیم الدین شیرازی: ج ۲ ص ۳۰۳، ۳۰۴۔
باب عمامۃ رسول اللہ]

اور حنابلہ میں سے حضور شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کی کتاب ''غنیہ'' میں شملہ کے مستحب ہونے اور ''اقتعاط'' یعنی ٹھوڑی کے نیچے سے عمامہ نہ باندھنے کے مکروہ ہونے کی صراحت کی ہے۔**(۱)**

البتہ یہ حجت نہیں ہے۔ کیوں کہ شملہ کی بعض احادیث سے ظاہر ہو چکا ہے کہ یہ طریقہ عوام سے تمیز کیلئے ''اُمراء'' وغیرہم کے ساتھ خاص ہے۔ اور شاید یہی توجیہ زیادہ مناسب ہے کہ وہ ہدایت دینے والے مشائخ اور فائدہ بخشنے والے علما کے ساتھ خاص ہو۔

اور مالکیہ میں سے صاحب مدخل کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ:

عمامہ بغیر شملہ باندھنا اور ٹھوڑی کے نیچے نہ باندھنا بھی بدعت مکروہہ ہے۔ تو اگر دونوں پر عمل کیا جائے تو زیادہ مناسب ہے اور اگر ان میں سے کسی ایک پر بھی عمل کر لیا تو مکروہ سے نکل کر سنت میں داخل ہو گیا۔**(۲)**

اس لیے کہ کبھی شملہ کا نہ ہونا بھی ثابت ہے تو اس کو بدعت کیسے مان لیا جائے۔ نیز شملہ کے ترک پر عدمِ نہی کے ہوتے ہوئے اسے مکروہ کیسے قرار دیا جائے؟۔

البتہ ''تحنیک'' (یعنی ٹھوڑی کے نیچے سے عمامہ باندھنا) احادیث میں تو مذکور نہیں مگر صاحب قاموس نے اسے ذکر کیا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا صدور ضرور ہے اگرچہ نادر الوقوع ہے۔

اور وہ جو صاحب ''مواہب'' نے مالکیہ میں سے عبد الحق اشبیلی سے نقل کیا ہے کہ:

''عمامہ باندھنے کے بعد اس کا شملہ لٹکانا اور ''تحنیک'' (یعنی ٹھوڑی کے نیچے سے عمامہ باندھنا) سنت ہے۔ تو اگر ان دونوں کے بغیر عمامہ باندھا تو علما کے نزدیک مکروہ ہے۔**(۳)**

---

(۱) [الغنیۃ لطالبی طریق الحق للشیخ عبد القادر الجیلانی: ج ا ص۔ ۷۰۔ فصل فی آداب اللباس]

(۲) المدخل لابن الحاج: ج ا ص ۱۴۱۔ فصل فی اللباس]

(۱) [المواھب اللدنیہ للقسطلانی: ج ۲ ص ۱۹۰۔ النوع الثانی فی لباسہ]

تو مناسب یہی ہے کہ اس تصریح کو اسی بات پر محمول کیا جائے کہ، علما سے ان کی مراد محض علمائے مالکیہ ہیں۔

نیز فرمایا کہ:

سببِ کراہت میں اختلاف ہے، چنانچہ بعض فرماتے ہیں کہ سنت کی مخالفت کی وجہ سے مکروہ ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ: اس طرح کے عمامے شیطان کے عمامے ہیں (اس وجہ سے مکروہ ہے)۔**(۱)** کلام مکمل ہوا۔

دراصل دونوں علتیں ہی محل نظر ہیں! دوسری اس لیے کہ وہ ثابت نہیں اور اس کی تردید میں بعض علما نے کتابیں لکھی ہیں اور پہلی اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شملہ نہ لٹکانا بھی ثابت ہے تو اس کا ترک خلاف سنت نہیں ہو گا۔

ابن ابی شریف نے کہا کہ:

یہاں ایک تنبیہ ہے اور وہ یہ کہ: شملہ سادات صوفیاء اور اکابر علماء کی پہچان بھی بن چکی ہے لہٰذا جب کوئی غیر اہل ان کے شعار کو لوگوں پر تکبر کی نیت سے اپنائے تو اس بد نیتی کی وجہ سے یہ گناہ ہے۔ (اسی طرح اگر اس ارادے سے پہننے کو لازم قرار دے) خواہ عالم ہو یا صوفی، تو وہ بھی اس وجہ سے گناہگار ہو گا، خواہ شملہ لٹکائے یا نہ لٹکائے، لمبا ہو یا نہ ہو۔**(۲)** کلام مکمل ہوا۔

اور اس کا حاصل یہ ہے کہ:

تکبر کا ارادہ مطلقاً برا ہے، اور وہ شملہ بھی جس میں تکبر کا ارادہ ہو، مزید یہ کہ اگر اس میں ریا، دکھاوا، غیر حاصل شی کا اظہار، فریبیوں کے لباس سے تشبیہ اور خودستائی پائی جائے تو اس کے ترک کے ذریعے اس کا علاج کرنا اس کے منافی نہیں ہے۔ اور شاید اکثر شہروں میں اکثر علما اور صلحا کے شملہ چھوڑ دینے کی یہی وجہ ہے۔

---

(۱) مرجع سابق]

(۲) [صوب الغمامۃ فی ارسال طرف العمامۃ لکمال الدین محمد ابن ابی شریف المقدسی:۴۹]

زرکشی نے کہا ہے کہ:

''مناسب یہی ہے کہ غیر صالح پر ایسے پہناوے کو حرام قرار دیا جائے جبکہ اس میں غیر کی ہلاکت کا خوف ہو، البتہ جب اس کے نیک ہونے کا یقین ہو جائے تو پھر اسے پہننے کی اجازت دی جائے''۔

اور ابن عبد السلام کا یہ قول بھی اسی کی تائید کرتا ہے کہ:

''غیر صالح کے لیے ان کا پہناوا پہننا (جائز ہے) جبکہ فتنہ کا خوف نہ ہو''۔

اور علما کی ایک جماعت نے جن میں امام غزالی بھی ہیں اسی بات کی صراحت کی ہے کہ:

''جس شخص کو اس کی کسی صفت پر (اچھا ہونیکا) یقین کر کے کچھ دیا جائے تو اس کے لیے اس کا قبول کرنا جائز نہیں جب تک کہ اس کا باطن بھی ویسا ہی نہ ہو''۔ **(۱)** کلام مکمل ہوا۔

بالجملہ وہ شخص جو جاہل ہو اس کے لیے فقہا کا عمامہ پہننا جائز نہیں ہے اور اس کے لیے اس کے آباء کا علما ہونا بھی کافی نہیں۔

ابن حجر نے کہا کہ:

''شملہ دونوں شانوں کے درمیان اور داہنی طرف ثابت ہے، البتہ پہلا طریقہ افضل ہے، کیوں کہ اس کی حدیث زیادہ صحیح ہے، اور بائیں طرف شملہ لٹکانا مسنون نہیں کیوں کہ اس سلسلے میں کچھ بھی وارد نہیں ہوا، اسی لیے صوفیا پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ:

وہ اس کو اختیار کرتے ہیں محض یہ سوچتے ہوئے کہ شملہ دل کی طرف ہے جو انہیں اللہ کے سوا سے فارغ کر کے اللہ کی یاد دلاتا ہے حالانکہ وہ وارد شدہ احادیث کی طرف نہیں دیکھتے، اللہ کرے کہ ان کو عذر پیش ہو کہ وہ احادیث ان تک نہیں پہنچیں۔ **(۲)**

میں کہتا ہوں کہ: حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کی اس حدیث میں بھی یہ وارد ہو چکا ہے،

---

(۱) [مخطوطہ، درالغمامۃ فی درالطیلسان والعذبۃ والعمامۃ: ص۷،۸۔
تحفۃ المحتاج فی شرح المنھاج: ج۳ص۳۷۔ فصل فی اللباس فی الصلاۃ]

(۲) [مخطوطہ، درالغمامۃ: ص۵۔ تحفۃ المحتاج فی شرح المنھاج: ج۳ص۳۷۔]

جس کو طبرانی نے "کبیر" میں روایت کیا، جیسا کہ سخاوی کی منقولہ عبارت میں گزر چکا کہ:

"آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی بائیں جانب شملہ لٹکایا"۔**(۱)**

تو شاید انہوں (صوفیا) نے اسی روایت کو اختیار کیا ہو، جیسا کہ ان کے بیان کردہ نکتہ اور حکمت سے ظاہر ہے، البتہ یہ ہیئت اکثر صوفیا کے یہاں مشہور نہیں اور ان کی کتابوں میں بھی اس کا ذکر نہیں۔ لہٰذا اس کو بعض صوفیا پر ہی محمول کیا جائے گا۔(یعنی بعض صوفیا اس طرح شملہ لٹکاتے تھے)

اور "مواہب" میں ہے کہ: ابن قیم نے "الھدی النبوی" میں کہا کہ:

"شیخ الاسلام ابن تیمیہ (**یہ اس وقت کا لقب ہے جب ابن تیمیہ کی گمراہی ظاہر نہ ہوئی تھی**) نے شملہ لٹکانے کے سبب کے سلسلے میں ایک نئی چیز بیان کی اور وہ یہ کہ:

"نبی کریم نے مدینہ میں جب معراج منامی میں اللہ تعالیٰ کا دیدار فرمایا، تو رب تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! فرشتے کس بارے میں جھگڑ رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا: تو بہتر جانتا ہے، تو اللہ پاک نے اپنا دستِ قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا، تو میں نے زمین و آسمان میں جو کچھ ہے وہ سب جان لیا...... الحدیث۔

یہ حدیث ترمذی میں ہے۔**(۲)**

نیز بخاری سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: "صحیح ہے"۔

(ابن تیمیہ نے) کہا کہ:

"اس وقت سے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے شانوں کے درمیان شملہ لٹکانے لگے"۔ نیز یہ بھی کہا کہ:

"یہ ایسی معلومات ہے کہ جہلا کی زبانیں اور ان کے دل جس کا انکار کریں گے"۔

---

(۱) [مواہب الجلیل لحطاب الرعینی: ج ۱ ص ۵۴۱۔ الحاوی للفتاوی: ج ۱ ص ۳۵۹]

(۲) [سنن ترمذی: ج ۵ ص ۲۲۰۔ حدیث نمبر۔ ۳۲۳۳، ۳۲۳۴]

اور یہ بھی کہا کہ:

''میں نے شملہ لٹکانے میں اس کے علاوہ کوئی فائدہ نہیں دیکھا''۔

یہاں تک ''ھدی'' کی عبارت مکمل ہوئی۔(۱)

نیز ''ہدی'' کے علاوہ دیگر کتب میں یوں ہے کہ: ابن تیمیہ نے ذکر کیا:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے رب کو دیکھا کہ اپنا دست قدرت ان کے دونوں شانوں کے درمیان رکھا ہے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس جگہ کو شملہ کے ذریعہ تکریم فرمائی''۔ عبارت مکمل ہوئی۔

البتہ عراقی نے اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ:

''ہم نے اس کی کوئی اصل نہیں پائی''۔(۲)

بلکہ ابن قیم نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے جیسا کہ گزر چکا۔

البتہ ابن حجر نے ''شرح شمائل ترمذی'' میں (ابن تیمیہ کے) اس قول کا بڑی شدومد سے انکار کیا ہے، انہوں نے عراقی کے کلام کے بعد کہا کہ:

''بلکہ یہ ان دونوں (ابن تیمیہ اور ابن قیم) کی قبیح رائے اور ان کی گمراہی کا ثبوت ہے، کیوں کہ اس بات کا مدار ان دونوں کے مذہب اور اس کے طرزِ استدلال پر ہے، اور اس وجہ سے بھی کہ اس نے اپنے موقف کی نفی کرنے والے علمائے اہل سنت کی تردید کی ہے۔ کیوں کہ ان (ابن تیمیہ اور ابن قیم) کا عقیدہ اللہ پاک کے لیے جہت اور جسمانیت ماننا ہے، حالانکہ اللہ کی ذات ان ظالموں اور منکروں کے الزام سے کہیں بلند و بالا ہے، اور اس بارے میں ان دونوں (ابن تیمیہ اور ابن قیم) کا یہ بلاشبہ بدترین عقیدہ ہے جسے سننے سے کان

---

(۱) [زاد المعاد فی ھدی خیر العباد لابن القیم: ج ۱ ص ۱۳۱۔ فصل فی ملابسہ۔
المواہب اللدنیہ للقسطلانی: ج ۲ ص ۱۸۹، ۱۹۰۔ النوع الثانی فی لباسہ]

(۲) [تاریخ الخمیس فی احوال انفس النفیس لحسین بن الدیار بکری: ج ۲ ص ۱۹۰۔
المواہب اللدنیہ للقسطلانی: ج ۲ ص ۱۸۹، ۱۹۰۔ النوع الثانی فی لباسہ]

بہرے ہو جائیں، بلکہ ایسے بد ترین عقیدہ پر تو دھوکہ، جھوٹ، گمراہی اور بہتان سب پورے ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو اور جو ان جیسا کہے: ان کو خیر سے دور فرمائے، امام احمد اور ان کے مذہب کے اکابر اس بد ترین عیب سے بلاشبہ بری ہیں اور کیسے نہ ہوں کہ یہ عقیدہ اکثر کے نزدیک کفر ہے"۔ **(۱)**

میں کہتا ہوں کہ: اللہ تعالیٰ ان دونوں کو اس بری صفت اور زہریلی بدنامی سے محفوظ رکھے۔ تو جس شخص نے "شرح منازل السائرین" کا مطالعہ کیا ہے اس پر ضرور ظاہر ہو گا کہ: یہ دونوں اہل سنت وجماعت کے اکابرین میں سے تھے۔ **(۲)**

---

(۱) [اشرف الوسائل الیٰ فہم الشمائل لابن حجر ہیتمی: ص ۱۷۲، ۱۷۳۔ باب فی عمامۃ رسول اللہ]

(۲) ابن تیمیہ اور ابن قیم علمائے اہل سنت وجماعت کے نزدیک گمراہ وبد دین ہیں۔ مصنف علام ملا علی قاری نے جب یہ رسالہ لکھا ہے تب آپ پر ان کے عقائد ظاہر نہیں تھے البتہ بعد میں ان کے حالات منکشف ہوئے تو اپنا نظریہ ظاہر فرمایا اور مختلف مقامات پر ان کے تعلق سے اپنا موقف بیان فرمایا ہے۔ یہاں تطویل سے بچتے ہوئے بس ایک مثال پر اکتفا کی جاتی ہے۔ شرح شفا میں ابن تیمیہ کے زیارت رسول اللہ کے سفر کو حرام کہنے پر حکم تکفیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وقد فرط ابن تیمیۃ من الحنابلۃ حیث حرم السفر لزیارۃ النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کما أفرط غیرہ حیث قال کون الزیارۃ قربۃ معلوم من الدین بالضرورۃ وجاحدہ محکوم علیہ بالکفر ولعل الثانی أقرب إلی الصواب۔ لأن تحریم ما أجمع العلماء فیہ بالاستحباب یکون کفرا لأنہ فوق تحریم المباح المتفق علیہ فی ہذا الباب"

یعنی حنبلیوں میں سے ابن تیمیہ نے زیارت رسول کے لیے سفر کرنے کے سلسلے میں افراط سے کام لیا ہے چنانچہ اس نے زیارت نبی کے لئے سفر کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ اسی طرح اس کے غیر نے بھی افراط سے کام لیا ہے۔ اور کہا ہے:

اور ابن قیم نے جو کچھ شرح مذکور میں ذکر کیا اور لکھا کہ:

"یہ کلام شیخ الاسلام کا ہے" اس سے ان کی مراد شیخ عبد اللہ انصاری صاحبِ "منازل" قدس سرہ ہیں، اس سے ان کا اہل سنت میں مرتبہ اور علمی قدر و منزلت کا اندازہ ہوتا ہے اور یقیناً وہ بری ہیں اس الزام سے جو ان کے جہمیہ دشمنوں نے ان پر تشبیہ و تمثیل کی تہمت کی صورت میں لگائے ہیں، نیز اہل سنت کے محدثین پر تہمت لگانا ان کی عادت ہے جیسے رافضی تہمت لگاتے ہیں اہل سنت پر کہ وہ ناصبی ہیں، اور معتزلہ کہتے ہیں کہ وہ "نوائب حشویہ" (ناتجربہ کار، کمینے لوگ) ہیں، حالانکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کی میراث ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب پر تہمت لگاتے تھے۔ کہ وہ صابی (دین بدلنے والے) اور بدعات گھڑنے والے ہیں۔ **(۱)**

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ)۔ زیارت کا باعث تقرب خدا ہونا ضروریات دین میں سے ہے اور اس کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ اور شاید یہ دوسرا قول حق سے زیادہ قریب ہے کیوں کہ جس کے مستحب ہونے پر اجماع ہو اس کا حرام قرار دینا کفر ہے کیوں کہ یہ متفق علیہ جواز کی تحریم سے بڑھ کر ہے۔ [شرح الشفا: ج ۲ ص ۱۵۲۔ فصل فی حکم زیارۃ قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم]

(۱) ابن تیمیہ اور ابن قیم کے گمراہ کن عقائد و نظریات تو بہت ہیں البتہ تشبیہ و تمثیل جس کا ذکر مصنف علام رحمہ اللہ نے فرمایا ہے بہت ہی مشہور ہے۔ ابن تیمیہ، ابن قیم اور ان کے اتباع کے گمراہ کن عقائد و نظریات اور ان کے تعلق سے اکابر اہل سنت کے نظریات و تاثرات جاننے کے لیے درج ذیل چند کتابیں بہت مفید ہیں۔

شرح عقائد للدوانی۔

فتاوی حدیثیہ لابن حجر الہیتمی۔

نسیم الریاض شرح شفائے قاضی عیاض لاحمد الخفاجی۔

شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام للسبکی۔

الدرۃ المضیہ۔۔۔۔۔۔

اور سچے سُنی محدثین کو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ ملی ہے کہ:
وہ اہل باطل کے دیئے ہوئے گندے القابات انہی پر پلٹا دیتے ہیں۔
"اللہ تعالیٰ امام شافعی کی روح کو پاکیزگی بخشے!" جس وقت انہیں رفض سے منسوب کیا گیا تو فرمانے لگے: ؎

ان کان رفضا حب آل محمد

فلیشھد الثقلان انی رافضی **(۱)**

"اگر آل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت رفض ہے تو جن وانس گواہ ہو جائیں کہ میں رافضی ہوں"۔
اور ہمارے شیخ ابو عبد اللہ ابن تیمیہ اللہ ان سے راضی رہے، **(۲)** کہا کرتے تھے کہ:

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ)

المعتقد المنتقد لسیف اللہ المسلول علامہ فضل رسول بدایونی قدس سرہ
المعتمد المستند لامام احمد رضا البریلوی قدس سرہ
المستند المعتمد للشیخ اختر رضا البریلوی قدس سرہ
قوارع القہار علی المجسمۃ الفجار۔۔۔۔۔۔۔
تبعید الشیاطین بامداد جنود الحق المبین لحافظ البخاری سید عبد الصمد چشتی سہسوانی
اخطاابن تیمیۃ فی حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واھل بیتہ۔(ابن تیمیہ کی گستاخیاں) للشیخ ڈاکٹر محمود صبیح پروفیسر از ہر یونیورسٹی مصر۔

(۱) [دیوان امام شافعی: ج۱ص۱۰]

(۲) جو شخص گمراہ اور گمراہ گر ہو، جس کے عقائد و نظریات باطل وفاسد مبنی بر ضلالت ہوں اس سے بھلا اللہ کیسے راضی ہو گا۔ اللہ پاک مصنف علام رحمہ اللہ سے راضی ہو کہ انہوں نے جب یہ کتاب لکھی تو اپنے شیخ کے عقائد و نظریات سے واقف نہیں تھے البتہ جب واقف ہوئے تو تکفیر فرمائی۔ جیسا کہ شرح شفا (جس کا حوالہ پیچھے گزرا) سے ظاہر ہے۔

ان کان نصبا حب صحب محمد

فلیشھد الثقلان انی ناصبی(۱)

”اگر اصحابِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت ناصبیت ہے تو جن وانس گواہ ہو جائیں کہ میں ناصبی ہوں“۔

اوراللہ تیسرے کو معاف فرمائے کہ انہوں نے کہا کہ:۔

فَإِنْ كَانَ تَجْسِيمًا ثُبُوتُ صِفَاتِهِ ... وَتَنْزِيهُهَا عَنْ كُلِّ تَأْوِيلِ مُفْتَرِي

فَإِنِّي ـ بِحَمْدِ اللهِ رَبِّي ـ مُجَسِّمٌ ... هَلُمُّوا شُهُودًا وَامْلَئُوا كُلَّ مَحْضَرِ(۲)

”اگر اللہ کی صفات کا ثبوت اوراس کو ہر اختراعی تاویل سے منزہ قرار دینا تجسیم ہے تو بحمد اللہ میں کہتا ہوں کہ میرا رب جسم والا ہے، آؤ! اور گواہ ہو جاؤ اور تمام دستاویز بھر دو“۔

اور پھر شرح مذکور میں وہ چیزیں بیان کی گئی ہیں جو ان کے حسن عقیدہ اور حسن نیت پر دال ہیں، چنانچہ لکھا ہے کہ:

”اسماء وصفات کے نصوص کے تقدس کا تحفظ اس سے متعلق وارد احادیث کے ظاہر اور عامہ امت کو جو معقول ہو اس مفہوم پر ہے، عامہ سے مراد جہال نہیں بلکہ امت کے عام لوگ مراد ہیں جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ سے جب اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں پوچھا گیا کہ:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى(۳)

استویٰ کی کیفیت کیا ہے؟ تو سر جھکا لیا اور پھر پسینہ میں شرابور ہونے پر سر اُٹھایا اور فرمایا:

---

(۱) الکافیۃ الشافیۃ فی الانتصار للفرقۃ الناجیۃ: ص۱۳]

(۲) [مدارج السالکین لابن قیم: ج۲ ص۸۷]

(۳) ”وہ بڑی مہر والا اس نے عرش پر استواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے“ [کنز الایمان: پارہ،۱۶۔ سورہ،طٰہ۔ آیت ۵]

اِستواء معلوم ہے۔ البتہ اس کی کیفیت سمجھ سے باہر ہے، اسی پر ایمان لانا واجب ہے، اور اس سلسلے میں پوچھنا بدعت ہے۔ آپ نے اس لفظ کے معنیٰ معلوم اور اس کی کیفیت کے درمیان فرق کر دیا جسے بشر نہیں سمجھ سکتا، امام مالک رحمہ اللہ کا یہ جواب صفاتِ الٰہیہ مثلاً! سمع، بصر، علم، حیات، قدرت اور ارادہ، نزول، غضب، رحمت، ضحک وغیرہا کے تمام مسائل میں کافی وشافی ہے، ان تمام صفات کے معانی تو معلوم ہیں البتہ ان کی کیفیت سمجھ سے باہر ہے۔ کیوں کہ کیفیت کا سمجھنا ذات اور حقیقت کی کیفیت کو جاننے کی فرع ہے تو جب یہی معلوم نہیں تو صفات کی کیفیت کیسے سمجھ میں آئے گی۔

اس باب میں نفع بخش بات یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس صفت سے موصوف کیا جائے جس صفت سے خود اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو موصوف فرمایا ہے۔ اور اس صفت سے جس سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے موصوف کیا ہے کسی تبدیلی اور انکار اور کیفیت و مثال کے بغیر۔ بلکہ اللہ کے لیے اسماء اور صفات کو ثابت مانا جائے۔ اور اس سے مخلوقات کی مشابہت کی نفی کی جائے تو تیرا اثبات تشبیہ سے منزہ اور تیری نفی انکارِ صفات سے مبرا ہو گی۔ لہٰذا جو شخص استواء کی حقیقت کی ہی نفی کر دے وہ معطل (یعنی صفات کا انکار کرنے والا) ہے اور جو مخلوق کے استواء سے مشابہ قرار دیدے وہ ممثل (یعنی اللہ تعالیٰ کو مخلوق جیسا بتانے والا) ہے، اور وہ جو یہ کہے کہ:

استواء وہ ہے جس کی طرح کوئی چیز نہیں تو وہی موحّد منزہ ہے۔ ان کا کلام مکمل ہوا۔ **(۱)** ان کا مقصد واضح اور ان کا عقیدہ ظاہر ہو گیا کہ وہ جمہور اسلاف اور اہل سنت وجماعت کے اکثر علمائے خلف کے معتمد ہیں۔ اور اسی سے ان کے شیخ سے تجسیم کی نفی بھی ہو گئی۔ **(۲)**

---

(۱) [مدارج السالکین لابن قیم: ج ۲ ص ۸۵]

(۲) اللہ پاک مصنف علام پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ ہم مصنف علام سے حسن ظن رکھتے ہوئے عرض کر دیں کہ مصنف رحمہ اللہ اس کتاب کی تصنیف تک ابن تیمیہ اور ابن قیم جوزیہ کے باطل نظریات خاص کر اللہ تعالیٰ کے لیے جسم وجسمانیات ماننے کے باطل نظریہ

تو بدیع کا معنی جس کا ذکر حدیث میں ہے اربابِ ذوقِ سلیم کے نزدیک بالکل ظاہر ہے خواہ رویت معراجی منامی کے باب سے ہو یا تجلیاتِ صوری کے باب سے ہو۔

یہی ''مجد فیروزآبادی نے ''صراط مستقیم''میں کہا کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ:

پچھلے صفحہ کا حاشیہ:

پر واقف نہ ہوئے ہوں گے، ورنہ ہر گز اس طرح دفاع نہ کرتے۔ ابن تیمیہ اور ابن قیم کی کتابیں آج بھی ان کے اس باطل نظریہ کی گواہی دے رہی ہیں۔ ابن تیمیہ کی کتاب عقیدہ حمویہ، عقیدہ واسطیہ اور ''بیان تلبیس الجہمیہ فی تاسیس بدعھم الکلامیہ'' اس مسئلہ میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہاں ہم ان کی کتابوں سے اس کا ثبوت پیش کریں تو ایک مستقل کتاب تیار ہو جائے ہم فقط ایک حوالہ ابن تیمیہ کی کتاب '' بیان تلبیس الجهمیه فی تاسیس بدعهم الکلامیه'' سے پیش کر رہے ہیں:

'' ولو قد شاء لاستقر علی ظهر بعوضة فاستقلت به بقدرته ولطف ربوبيته فكيف على عرش عظيم أكبر من السموات والأرض وكيف تنكر أيها النفاخ أن عرشه يُقِلُّه والعرش أكبر من السموات السبع والأرضين السبع ''

یعنی اگر اللہ چاہے تو مچھر کی پیٹھ پر بھی ٹھہر سکتا ہے اور اپنی قدرت اور اپنی لطف ربوبیت سے اس کے مطابق ہو سکتا ہے تو بھلا عرش عظیم جو آسمانوں اور زمینوں سے بہت بڑا ہے اس پر کیوں نہیں ٹھہر سکتا؟ تو اے بڑی بڑی ہانکنے والو! تم اس بات کا کیسے انکار کر سکتے ہو کہ عرش اللہ کے ٹھہرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ حالانکہ عرش ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں سے بڑا ہے۔

[''بیان تلبیس الجہمیہ فی تاسیس بدعھم الکلامیہ: ج۳ص۲۴۳]

علاوہ ازیں یہاں ہم یہ بھی بتا دیں کہ ابن تیمیہ اور اس کے اذناب واتباع کے اس فاسد گمراہ کن عقیدہ (کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے ٹھہرا ہوا ہے)

”ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا تو رب نے فرمایا:
اے محمد! فرشتے کس بات میں جھگڑ رہے ہیں؟ عرض کیا: مجھے معلوم نہیں، فرمایا:

حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ:

کے خلاف بہت سے علمائے اہل سنت نے مستقل کتابیں تحریر فرمائی ہیں۔ اور کچھ علما وفقہا نے اپنی کتابوں میں اس بحث کے ضمن میں ابن تیمیہ وغیرہ کے اس فاسد عقیدہ کی زبردست تردید فرمائی ہے۔ اور اس کا حکم ضلالت بھی بیان فرمایا ہے۔ یہاں ہم بس دو حوالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے پیچھے ذکر کی گئی کتابوں کو دیکھا جا سکتا ہے۔

علامہ ابن حجر ہیتمی قدس سرہ اپنی کتاب ”الجوہر المنظم“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”وما وقع من ابن تيمية ممّا ذكر وإن كان عثرة لا تقل أبداً، ومصيبة يستمر شؤمها دوماً سرمداً ليس بعجيب...... حتى تجاوز إلى الجناب الاقدس، منزّه سبحانه وتعالى عن كل نقص، والمستحق لكل كمال أنفس، فنسب إليه العظائم والكبائر وأخرق سياج عظمته وكبرياء جلالته بما أظهره للعامة، على المنابر من دعوى الجهة والتجسيم، وتضليل من لم يعتقد ذلك من المتقدمين والمتأخرين، حتى قام عليه علماء عصره وألزموا السلطان بقتله أوحبسه وقهره، فحبسه إلى أن مات، وخمدت تلك البدع، وزالت تلك الضلالات“

یعنی ابن تیمیہ سے جو جرم سرزد ہوئے ان میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے باری تعالیٰ جو ہر عیب سے پاک اور جملہ کمالات کا مستحق ہے، کی جناب میں حق سے تجاوز کیا۔ اور اس کی جانب بڑی بڑی باتیں منسوب کیں اور اس کی عظمت وکبریائی کے حجاب میں شگاف ڈالنے کی جرات کی اور اپنے اس باطل دعوی کو کہ اللہ پاک کے لیے جہت اور جسم وجسمانیات ثابت ہے، بر سرعام بیان کیا۔ اور متقدمین ومتاخرین میں سے جن لوگوں کا عقیدہ اس کے برخلاف ہو اس کو گمراہ قرار دیا۔ یہاں تک کہ اس کے دور کے علما اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کے قتل یا قید کے لیے بادشاہ پر زور ڈالا نتیجتاً بادشاہ نے اسے قید کروا دیا یہاں تک کہ

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا دستِ قدرت میرے شانوں کے درمیان رکھا، تو زمین و آسمان میں جو کچھ ہے وہ سب کچھ میں نے جان لیا، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

پچھلا حاشیہ:

اسی قید خانہ میں اس کی موت واقع ہوئی۔ اور اس طرح یہ بدعت دم توڑ گئی اور گمراہیاں ختم ہو گئیں۔ [الجوہر المنظم لابن الحجر الہیتمی: ص ۳۰، ۳۱]

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت محدث بریلوی قدس سرہ ابن تیمیہ اور اس کے اذناب واتباع کے اس عقیدہ باطلہ کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان گمراہوں مکان و جہت ماننے والوں کے پیشواؤں ابن تیمیہ وغیرہ نے اللہ تعالیٰ کے جہت بالا میں ہونے پر خود ہی یہ دلیل پیش کی ہے کہ تمام جہان کے مسلمان دعاو مناجات کے وقت ہاتھ اپنے سروں کی طرف اٹھاتے ہیں۔ پُر ظاہر کہ یہ دلیل ذلیل طبل کلیل کہ ائمہ کرام جس کے پرخچے اُڑا چکے اگر ثابت کرے گی تو اللہ عزوجل کا سب طرف سے محیط ہونا کہ ایک ہی طرف ہوتا تو وہیں کے مسلمان سر کی طرف ہاتھ اٹھاتے جہاں وہ سروں کے مقابل ہے باقی اطراف کے مسلمان سروں کی طرف کیونکر اٹھاتے بلکہ سمت مقابل کے رہنے والوں پر لازم ہوتا کہ اپنے پاؤں کی طرف ہاتھ بڑھائیں کہ ان مجسمہ کا معبود اُن کے پاؤوں کی طرف ہے۔

بالجملہ پہلی شق باطل ہے، رہی دوسری اس پر یہ احاطہ عرش کے اندر اندر ہر گز نہ ہو گا ورنہ استواء باطل ہو جائے گا، ان کا معبود عرش کے اوپر نہ ہو گا نیچے قرار پائے گا، لاجرم عرش کے باہر سے احاطہ کرے گا اب عرش ان کے معبود کے پیٹ میں ہو گا تو عرش اس کا مکان کیونکر ہو سکتا ہے بلکہ وہ عرش کا مکان ٹھہرا اور اب عرش پر بیٹھنا بھی باطل ہو گیا، کہ جو چیز اپنے اندر ہو اس پر بیٹھنا نہیں کہہ سکتے کیا تمہیں کہیں گے کہ تم اپنے دل یا جگر یا طحال پر بیٹھے ہوئے ہو، گمراہو، حجۃ اللہ یوں قائم ہوتی ہے۔"

[قوارع القہار علی المجسمۃ الفجار: ص ۴۱، ۴۲]

اس رات کی صبح کو اپنے شانوں کے درمیان شملہ لٹکایا''۔(۱)
اور کوئی شک نہیں کہ جس نے یاد رکھا اس کے لیے یہ حجت ہے اس شخص پر جس نے یاد نہیں رکھا، لہٰذا ثقات کے بارے میں حسن ظن اچھی صفات میں سے ہے، تمام تعریفیں اللہ کے لیے جس کے فضل سے خوبیاں مکمل ہوتی ہیں۔

حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ:

اور فرماتے ہیں:

''مگر یہ مسلک باطل کہ آیات معیت تو تاویل پر محمول ہیں اور آیت استواء ظاہر پر یہ ہر گز مسلک اہل سنت نہیں، عرش پر ہے دوسری جگہ نہیں، یہ صاف تمکن کو بتارہا ہے عرش پر معاذ اللہ اس کے لیے جگہ ثابت کی جب تو اور مکانات کی نفی کی، عالمگیریہ، طریقہ محمدیہ، حدیقہ ندیہ، تاتارخانیہ، خلاصہ، جامع الفصولین، خزانۃ المفتین وغیرھا، میں تصریح ہے کہ رب عزوجل کے لیے کسی طرح کسی جگہ مکان ثابت کرنا کفر ہے۔ متاخرین حنابلہ میں بعض خبثاء مجسمہ ہو گئے جیسے ابن تیمیہ وابن قیم، ابن تیمیہ کہتا ہے کہ میں نے سب جگہ ڈھونڈا کہیں نہ پایا اور معدوم ہے ان دونوں میں کچھ فرق نہیں یعنی جو کسی جگہ نہیں ہے وہ ہے ہی نہیں لیکن رب عزوجل تو معاذ اللہ ضرور کسی جگہ ہے، اس احمق سفیہ کو اگر مادی اور مجرد عن المادہ کا فرق نہ معلوم ہو تو وہ سیف قاطع جو اوپر ہم نے ذکر کی اس کی گردن کاٹنے کو کافی جگہ حادث ہے جب جگہ تھی ہی نہیں کہاں تھا وہ شاید یہ کہے گا کہ جب جگہ نہ تھی وہ بھی نہ تھا یا یہ کہے گا کہ جگہ بھی قدیم ازلی ہے اور دونوں کفر ہیں جب اُس کا معبود اس کے نزدیک بغیر کسی جگہ میں موجود ہوئے نہیں ہو سکتا تو جگہ کا محتاج ہوا، اور جو محتاج ہے اللہ نہیں تو حقیقۃً ان پر انکار خدا ہی لازم ہے۔'' [فتاوی رضویہ جدید: ج ۲۹ ص ۱۱۷]

(۱) [صراط مستقیم المعروف سفر السعادۃ: ص ۱۴۹]

الحمدللہ کتاب کا ترجمہ، تخریج وحاشیہ کے ساتھ مکمل ہوا۔